۵

علمی وتحقیقاتی مجلہ

نور معرفت

محرم الحرام تا رجب المرجب ۱۴۳۰ھ ق

قرآن اور ولی مسلمین

اهل بیتؑ کالغوی و اصطلاحی مفهوم ومصداق

میثاق مدینه ،سیرت النبی کے حوالے سے ایک تحقیقی جائزہ

کیا نوروز اسلامی عید ہے؟

قیام امام حسین علیه السلام کے اسباب واثرات، علامه طباطبائی کی نظر میں

امام حسین علیه السلام کی سیرت کے چند نمایاں پهلو

ضلع اسلام آبادکے شیعه دینی مدارس کے صاحبان تصانیف اساتذہ

قرآن اوراحادیث کی روشنی میں علم امام

واقعه حرہ اور امام زین العابدین علیه السلام کا سیاسی کردار

14M3R.DEVIANTART.COM

علمی و تحقیقاتی مجلّہ

شش ماہی **نور معرفت ۵** اسلام آباد

جلد ۳ محرم الحرام ۔ تا ۔ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ ق شمارہ ۵

مجلس ادارت

سید حسین عارف نقوی (صدر مجلس)

سید حسنین عباس گردیزی

سید ثمر علی نقوی

محمد اصغر عسکری

جعفر علی میر

روشن علی

مدیر

سید رمیز الحسن موسوی

ملنے کا پتہ: شعبہ تحقیقات ۔ نور الہدیٰ ٹرسٹ ۔ (رجسٹرڈ) بارہ کہو ۔ اسلام آباد

فون: 051-2231937 ای میل noor.marfat@gmail.com

اہم گذارشات

☆مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی موضوعات مدیرِ نور معرفت کے نام ارسال کریں۔

☆بہتر ہے کہ مضمون کمپوز شدہ ہوں اوران کی ضخامت بیس/ پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ ممکن ہوتو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیر کے ای۔میل پر ارسال فرمائی جائے۔

☆ ممکن ہے کہ ادارہ ہر شمارہ کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات کے نام ارسال کرے کہ ان پر تحقیق کی جائے۔

☆ حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ کو اختیار کیا جائے اور تفصیل سے لکھے جائیں اس طرح: مصنف طبع.........سن طباعت.........ج.........ص .... کے ساتھ مضمون کے آخر میں نمبر لگا کر دیے جائیں۔

☆رسالہ نور معرفت میں علوم قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، کلام وفلسفہ اور اسلامی تاریخ، تعلیم وتدریس، تقابل ادیان، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت وتمدن، قانون واصول قانون وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔

☆نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں ''نور معرفت'' کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر نور معرفت کو کتاب کی دو کاپی ارسال کی جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فہرست مطالب

اداریہ

پاکستان میں شیعہ تحقیقی رسائل کی ضرورت

مقالات ومضامین

قرآن اور ولی مسلمین

سید رمیز الحسن موسوی

اہل بیتؑ کا لغوی واصطلاحی مفہوم ومصداق اور مفسرین کی آراء

مصطفیٰ بہشتی

میثاق مدینہ؛ سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حوالے سے ایک تحقیقی جائزہ

روشن علی

کیا نوروز اسلامی عید ہے؟

سید عقیل حیدر زیدی المشہدی

قیام امام حسینؑ کے اسباب واثرات؛ علامہ طباطبائی کی نظر میں

جعفر علی میر

امام حسین علیہ السلام کی سیرت کے چند نمایاں پہلو

سید حسنین عباس گردیزی

ضلع اسلام آباد کے شیعہ دینی مدارس کے صاحبان تصانیف اساتذہ

سید حسین عارف نقوی

قرآن اور احادیث کی روشنی میں علم امام

محمد اصغر عسکری

واقعہ حرہ اور امام زین العابدین علیہ السلام کا سیاسی کردار

سید محمد جعفر شاہ خوارزمی

کتاب شناسی

محمود احمد عباسی (م۔۱۹۷۴ء) کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' اور اس کے ردود

سید حسین عارف نقوی

شیعہ محدثین اور اُنکی کتب حدیث (۱) شیخ طوسیؒ بحیثیت محدث

سید رمیز الحسن موسوی

صحیح البخاری: المختصر من امور رسول اللہ وسننہ وایامہ

محمد حیات انصاری

اداریہ:

پاکستان میں شیعہ تحقیقی رسائل کی ضرورت

تحقیق کا مادہ ''حق'' ہے یعنی؛ جو چیز درست، مستحکم اور ثابت ہو۔ احقاق اور تحقیق سے مراد کسی چیز کو ثابت، درست اور مستحکم بنانا اور کسی چیز کو ثابت کرنا یا کسی چیز کے مبنی بر حق ہونے کو ثابت کرنا ہے بہتر الفاظ میں موجودات کی شناخت کا نام تحقیق ہے۔ جس معاشرے میں زمینی حقائق کی شناخت نہیں ہوتی وہ خرافات اور غیر حقیقی چیزوں میں کھو جاتا ہے اور معاشرہ کا ہر فرد جہالت کی تاریکی میں ڈوب جاتا ہے اور زمانے کے حوادث کے سامنے بے بس نظر آتا ہے۔ اس لئے تحقیق خواہ وہ کسی بھی موضوع میں ہو، معاشرے کی حیات کی علامت ہے۔ جس، معاشرے میں محققین پیدا نہیں ہوتے اور تحقیقات کو اہمیت نہیں دی جاتی وہ بتدریج مردہ ہو جاتا ہے ۔جیسا کہ موجودہ پاکستانی معاشرے میں ہوا ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں خواہ وہ دین ہو یا علم وٹیکنالوجی تحقیقی حس مردہ نظر آتی ہے جس کی وجہ سے دینیات میں ہم خرافاتی اور علم وٹیکنالوجی میں ہم دوسروں کے دست نگر ہیں۔ اس لئے درست بنیادوں پر تحقیقی کام کی اہمیت سے کسی بھی صورت میں انکار نہیں کیا جا سکتا، خواہ وہ کتاب و جریدے کی شکل میں ہو یا کسی تحقیقی لیکچر و درس کی شکل میں۔ اسی طرح دوسروں کی تحقیقات اور علمی کاوشوں سے آشنا ہونے کے لئے ترجمہ کی ضرورت بھی کسی پر پوشیدہ نہیں۔ ترجمہ اپنی زبان سے کسی دوسری زبان میں ہو یا کسی غیر زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کیا جائے، دونوں اہمیت اور فائدے سے خالی نہیں ہیں ۔لہذا تحقیقی کتابوں اور مقالات کا ترجمہ بھی تحقیقی کام سے کم نہیں ہے لیکن اس کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مترجم کس قسم کا مواد ترجمے کے لئے منتخب کرتا ہے اور اس کا کیسا ترجمہ کرتا ہے بعض ترجمے دسیوں تحقیقی تحریروں پر بھاری ہوتے ہیں۔

اس اہم کام کے لئے تحقیقی ماحول فراہم کرنا ملک کے اہل علم اور دانشمند طبقے کا کام ہوتا ہے جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے ۔ یہ اہل علم ہیں کہ جو ملک وقوم کے سامنے پوشیدہ حقائق سے پردہ اُٹھاتے ہیں اور تشنہ سوالات کا جواب فراہم کرتے ہیں اور اسے زمینی حقائق سے نزدیک کر کے احساسات وخیالات کی دنیا سے نکالتے ہیں ۔اس کا اہم ترین وسیلہ علمی کتب اور مجلّات ورسائل ہیں کہ جو ملک کے اہل علم ودانشور طبقے کی تحقیقات کو منظر عام پر لاتے ہیں اور کسی ملک وقوم کی حقیقت پسندی، شوق وجستجو اور پیش رفت کی علامت سمجھے جاتے ہیں ۔اس وقت ہمارے علمی اداروں بالخصوص دینی علمی اداروں کی جوصورت حال ہے وہ اس بات کی عکاس ہے کہ ہمارے ہاں علمی تحقیق وجستجو تقریباً مفقود ہو چکی ہے اور ہم ذہنی محنت ومشقت کے بجائے دوسروں کی کاوشوں اور تحقیقی کوششوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں ۔لہذا دیکھا گیا ہے کہ اس وقت ترجمے کا بازار گرم ہے اور تحقیق وتالیف کے میدان میں بہت کم شہسوار نظر آتے ہیں اور یہ صورت حال بالخصوص شیعہ قوم اور معاشرے میں واضح نظر آ رہی ہے ۔گزشتہ تین دہائیوں سے ہندو پاک میں شیعہ قوم میں علمی انحطاط شروع ہو چکا ہے اور اس وقت وہ اپنے عروج کی طرف جارہا ہے ۔ یہاں ہمارا مقصد اپنے اس قومی زوال کا مرثیہ نہیں پڑھنا بلکہ قوم وملت کے دانشمند طبقے کی اس طرف توجہ مبذول کرانا مقصود ہے کہ ہمارے اس علمی زوال کے بہت سے اندرونی وبیرونی علل واسباب ہیں جن میں سے ایک اہم سبب تحقیقی رجحان کا فقدان ہے ۔کسی زمانے میں ہمارے بہت ہی علمی وتحقیقی مجلّات ورسائل تھے جو ملی ومذہبی اور دینی غیرت کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ ساتھ تحقیقی میدان میں بھی سرفہرست سمجھے جاتے تھے ۔جن میں سے چند برجستہ رسائل وجرائد کا نام لینا شاید موقع کی مناسبت سے صحیح ہو اور عہد رفتہ سے عبرت کا سامان فراہم کر سکے ۔ان میں ایک تحقیقی رسالہ لکھنو سے ''العلم'' تھا کہ جو سید محسن نواب مرحوم کی زیر ادارت نکلتا تھا جسکی قدیم فائلیں اس کی علمی وتحقیقی شان ومنزلت کی گواہ ہیں ۔اسی طرح لکھنو سے آغا مہدی مرحوم کی ادارت میں ''الواعظ'' نکلتا تھا جو دینی ومذہبی غیرت کے ساتھ ساتھ مذہب حقہ اہل بیتؑ کا علمی ترجمان بھی تھا ۔علامہ سید علی حائری کی سرپرستی میں ماہنامہ ''الحافظ'' تھا جو علامہ حائری اعلیٰ اللہ مقامہ کی مانند علم وتحقیق کا مجسمہ تھا ۔اسی طرح علامہ سید محمد سبطین سرسوی اعلیٰ اللہ مقامہ کا رسالہ ''

البرہان''، تھا جس کی معقولات ومنقولات میں تحقیقات آج بھی ہمارا علمی سرمایہ سمجھی جاتی ہیں۔ زمانہ نزدیک میں جب تحقیق کے بجائے ترجمے کا دور شروع ہوا تو پھر بھی چند ایک علمی مجلّے منظر عام پر آئے جن میں اسلام آباد سے عالمی مجلس اہل بیتؑ پاکستان کا ترجمان ''ثقلین'' ایک نمایاں مجلّہ ہے کہ جس نے ایک حلقے کی علمی پیاس بجھائی ہے اسی طرح مترجم مجلّات میں لاہور سے ''المجلس'' کا نام بھی ناقابل فراموش ہے لیکن یہ بھی چند سال بعد بند ہوگیا۔ علمی رسائل کے بند ہونے کے اسباب بھی قابل ملاحظہ ہیں لیکن اسوقت ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے سلسلے میں ایک اہم رسالہ ''المیزان'' تھا کہ جو پاکستان میں ''قرآنیات'' میں ایک اچھا مجلّہ سمجھا جاتا تھا لیکن اسے بھی بہت جلد بعض وجوہات کی بنا پر بند ہونا پڑا۔ یہ تو اُن مجلّات کی مختصر سی فہرست تھی جو کسی زمانے میں ہمارے علمی ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے ماہنامہ اورہفت روزہ رسائل واخبار بھی تھے جو زمانے کے نشیب وفراز کا شکار ہوگئے ہیں اور آج جن کی یادیں ہی باقی رہ گئی ہیں

اس وقت پاکستان میں مذہب حقہ اہل بیتؑ جن حالات سے گذر رہا ہے اُن میں ایک کرب ناک حالت ہمارا علمی انحطاط ہے۔ کسی قوم کی موت اُس وقت واقع نہیں ہوتی جب اُسے گولی اور تلوار کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ یہ ظاہری موت ہوتی ہے جو اسکی معنوی زندگی کی علامت بن جاتی ہے لیکن کسی قوم کی معنوی موت اُس وقت واقع ہوتی ہے جب اُسے جہالت اور خرافات کے اندھیرے میں دھکیل دیا جائے۔ ثقافتی اور علمی میدان میں ہمارا مقابلہ گولیوں، تلواروں اور خودکش حملوں کے مقابلے سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ چونکہ ہر خودکش حملے اور ہر گولی کا نشانہ بننے والا شیعہ قوم کے لئے معنوی پیغام چھوڑتا ہے اور قرآن کی رو سے خود بھی ایک نئی حیات پاتا ہے اور قوم وملت کو بھی زندگی کا مفہوم عطا کرتا ہے لیکن جہالت اور کج فکری کے وار سے جو شیعہ اور پیرو اہل بیتؑ گھائل ہوتا ہے اُس کا جانبر ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے علمی میدان میں ہمیں سخت ترین حالات کا سامنا ہے چونکہ ایک طرف جدید میڈیا کی برکت سے قوم کا علمی رجحان کم ہو چکا ہے اور دوسری جانب ہمارے سب سے بڑے علمی ذریعہ ابلاغ (منبر) پر اغیار کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اس صورت حال میں قلمی اور تحقیقی میدان ہی ہے کہ جو کسی حد تک اس خلاء کو پُر کرسکتا ہے گو کہ یہ میدان بھی وادی پُر خار بن چکا ہے لیکن

ایک بھی تحقیقی کتاب، مقالہ اور جریدہ اس علمی خلاء کو پُر کرنے کے لئے ناقابل تردید کردار ادا سکتا ہے۔ تحقیقی کتابوں سے پہلے تحقیقی رسائل اور جرائد کسی قوم وملت کا علمی مورال بلند کرنے میں ہراول دستے کا کام کرتے ہیں اور علمی و تحقیقی صحافت قوموں کے لئے نشان منزل تلاش کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ لہذا اس وقت قوم کو ایسے دردمند اہل قلم کی اشد ضرورت ہے کہ جو اس کی علمی تشنگی دور کرتے ہوئے قوم کے اُلجھے ہوئے مسائل کا محققانہ حل پیش کریں۔ اہل قلم قوموں کی ترقی اور عروج میں جو کردار ادا کرسکتے ہیں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ''ہمارے اہل قلم، خطبا اور ہنرمند حضرات کو چاہیے کہ خداوند عالم کی عطا کردہ اس فرصت سے استفادہ کریں اور اسلامی فقہ اور قرآن کریم سے آشنا علما کی مدد سے تمام عرصہ حیات پر محیط اسلامی احکامات کو قرآن کریم سے صحیح اجتہاد، سنت نبیؐ، معارف الٰہی سے سرشار روایات اور ہماری قدیم فقہ سے استخراج کریں تاکہ وہ ان تمام علوم ومعارف کو عالم کے سامنے پیش کرسکیں''۔

حضرت امام خمینیؒ کے بیان سے استفادہ ہوتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح اور قوم وملت کی پیش رفت میں جہاں خطباء اور اہل منبر کا سنگین فریضہ بنتا ہے وہاں اہل قلم بھی اس ذمہ داری سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس وقت ہمارے معاشرے اور قوم میں جو اجتماعی خرابیاں اور مذہب ودین کے نام پر جو خرافات پیدا کی جارہی ہیں ان کا سدباب تحقیقی تحریروں اور خالص دینی معارف پر مشتمل کتب ورسائل ہی کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ولی مسلمین از نظر قرآن

سید رمیز الحسن موسوی

﴿ اِنَّما وَلِیُّکُمُ اللّٰہ وَرَسُولُہ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا الَّذِیْن یُقِیْمُونَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰاکِعَونَ﴾ (المائدہ/۵۵)

تمہارا سر پرست وحاکم فقط خداوند ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

شان نزول:

اہل سنت کی بہت سی تفاسیر اور کتب حدیث میں ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ نماز پڑھ رہے تھے تو رکوع کی حالت میں ایک فقیر کی صدا پر آپؑ نے اسے اپنی انگوٹھی دی تھی اس وقت بہت سے صحابہ کرام بھی وہاں موجود تھے۔اس شان نزول کے راوی ابن عباس، عمار یاسر، عبداللہ ابن سلام، انس بن مالک، عتبہ بن حکیم، جابر بن عبداللہ الانصاری اور ابوذر غفاری ہیں۔[1] تفاسیر اہل بیتؑ اور کتب حدیث امامیہ میں بھی بالاتفاق سب مفسرین ومحدثین نے اس آیت کو امام علیؑ کے حق میں نقل کیا ہے۔

وجہ دلالت:

ا۔ یہ آیت کلمہ حصر اِنَّمـا کے ساتھ شروع ہو رہی ہے اور یہ کلمہ اِنَّمـا لغت عرب میں منحصر کرنے کے معنی میں آتا ہے یعنی ولایت، خدا اور رسولؐ اور ان لوگوں میں منحصر ہے کہ جو ایمان لائے ہیں ،نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکوٰۃ (صدقہ) دیتے ہیں۔

۲۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ آیت میں کلمہ ولـی کا معنی دوست وناصر نہیں بلکہ یہاں ولـی

سے مراد سرپرست، حاکم، دنیوی و دینی امور میں تصرف کرنے والا ہے چونکہ ولایت بمعنی دوستی و نصرت ایک عمومی حکم ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہے نہ کہ فقط وہ لوگ جو حالت رکوع میں زکوٰۃ (صدقہ) دیتے ہیں وہی خدا و رسولؐ کے علاوہ مؤمنین کے ناصر و دوست ہیں بلکہ سب مسلمان ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں حتیٰ جن لوگوں پر زکوٰۃ و صدقہ واجب نہیں اور صدقہ وغیرہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ بھی ایک دوسرے کے دوست، محبّ اور مددگار و ناصر ہیں۔ لہٰذا انھیں منحصر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ آیت کے شروع میں کلمہ حصر اِنَّما سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ولی سے مراد دوست و ناصر نہیں بلکہ سرپرست و حاکم ہے ورنہ کلمہ حصر لانے کا کوئی جواز نہیں رہتا اور پھر سب لوگ ایک دوسرے کے سرپرست و حاکم نہیں ہو سکتے بلکہ خدا اور رسولؐ کے علاوہ وہی لوگ سرپرست و حاکم بن سکتے ہیں جن میں سرپرست و حاکم بننے کی صلاحیت و استعداد موجود ہو اور اس صلاحیت سے آگاہ فقط خداوند ہے لہٰذا خود خداوند، اپنی اور اپنے رسولؐ کی ولایت و حاکمیت کا اعلان کرنے کے بعد ''الذین آمنوا'' کی صفات بیان کر کے واضح کر رہا ہے کہ فقط حالت رکوع میں زکوٰۃ (صدقہ) دینے والے ولی مسلمین ہیں اور وہی خدا اور رسولؐ کی ولایت کے ہم پلہ ولایت رکھنے کے حقدار ہیں۔ چونکہ ''الذین آمنوا'' کو اللہ اور رسول پر عطف کیا گیا ہے۔

۳۔ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ یہاں رکوع سے مراد رکوع نماز ہے نہ کہ رکوع بمعنی خضوع۔ چونکہ قرآن اور شریعت کی اصطلاح میں جب رکوع کہا جاتا ہے تو اس کا وہی معروف معنی یعنی رکوع نماز (خم ہونا) مراد لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت کے شان نزول میں منقول روایات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہاں رکوع نماز مراد ہے نہ کہ خضوع۔ اور پھر آیت میں موجود جملہ ''**یقیمون الصلوٰۃ**'' بھی اس بات کا شاہد ہے کہ یہاں رکوع سے مراد نماز والا رکوع ہے چونکہ ہم قرآن میں کہیں نہیں دیکھتے کہ جہاں زکوٰۃ کو خضوع کے ساتھ ادا کرنے سے تعبیر کیا گیا ہو بلکہ زکوٰۃ ہمیشہ نیت اخلاص کے ساتھ اور بغیر احسان جتلائے دینی چاہیے نہ کہ خضوع کے ساتھ لہٰذا ''وھم راکعون'' میں ''واو'' حالیہ ہے یعنی وہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

۴۔ اب ہمیں ''الذین آمنوا '' کا مصداق تلاش کرنے کے لئے رسول اکرمؐ کے فرمودات کی جانب رجوع کرنا چاہیے کہ جو مبین قرآن کریم ہیں۔لہذا ہم دیکھتے ہیں فریقین سے نقل ہونے والی بہت سی روایات میں ''الذین آمنوا '' کا مصداق امیر المؤمنین علیؑ کو قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ سوائے چند ایک ناصبی المذہب ومتعصب اور نادان افراد کے اکثر اہل سنت مفسرین ومحدثین نے اس آیت کی تفسیر میں الذین آمنوا کا مصداق علی علیہ السلام کو ٹھہرایا ہے کتاب غایۃ المرام میں سید ہاشم بحرانی مرحوم نے اس موضوع پر ۲۴ احادیث اہل سنت کے طریقے سے اور ۱۹ احادیث شیعہ طریقے سے نقل کی ہیں۔۲ اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ فریقین سے چند ایک روایات واحادیث اور اقوال مفسرین نقل کرتے ہیں۔

روایات امامیہ

۱۔ اصول کافی میں علی بن ابراہیم اپنے والد سے اور وہ ابن ابی عمیر سے اور وہ عمر بن اذینہ سے نقل کرتے ہیں انھوں نے زرارۃ، فضل بن یسار، بکیر بن اعین اور محمد بن مسلم اور یزید بن معاویہ اور ابی الجارود سے روایت کی ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

خداوند متعال نے اپنے رسولؐ کو علیؑ کی ولایت کا حکم دیا اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿ اِنَّمَا وَلِیُّکُم اللہ وَرَسُولَه........... ﴾ نیز اولی الامر کی ولایت بھی امت اسلام پر واجب کر دی لیکن لوگ اولی الامر کے بارے میں نہ سمجھ سکے کہ اس سے مراد کون ہے لہذا رسول خداؐ کو حکم دیا گیا تا کہ آپؐ اس کی وضاحت فرمائیں جس طرح نماز زکوٰۃ وحج اور روزہ کی وضاحت وتفسیر فرمائی ہے جب یہ دستور پہنچا تو آپؐ بہت پریشان ہوگئے اور آپؐ اس بات سے ڈرنے لگے کہ کہیں لوگ اس حکم کی وجہ سے دین سے بیزار ہو کر مرتد نہ ہو جائیں اور آپؐ کی تکذیب کرنے لگیں ناچار آپؐ نے اپنے پروردگار کی جانب رجوع کیا تب خداوند نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل........... ﴾ یعنی اے رسولؐ! جو کچھ تمہاری طرف پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دے اور اگر تم نے نہ کیا پس تو نے اس کی رسالت کو نہ

پہنچایا اور اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔۳ آیت کے نزول کے بعد رسول خداؐ نے فرمان الٰہی کی انجام دہی کے لئے قیام فرمایا یعنی غدیر خم کے مقام پر ولایت علی علیہ السلام کا اعلان لوگوں میں کر دیا۔ ندا دی گئی الصلوۃ جامعہ لوگوں نماز کے لئے آمادہ ہو گئے اس کے بعد آپؐ نے ولایت علیؑ کے بارے میں خداوند کا حکم لوگوں تک پہنچایا اور فرمایا: حاضرین اس حکم کو غائبین تک پہنچا دیں۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: تمام فرائض اور شرعی واجبات ایک کے بعد ایک نازل ہوتے رہے اور ولایت آخری فریضہ اور فرمان الٰہی تھا کہ جو نازل ہوا اور اس کے بعد آیۂ مجیدہ: ﴿**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی**﴾ نازل ہوئی اور خداوند نے فرمایا: فرائض و واجبات کامل ہو گئے ہیں اس کے بعد کوئی چیز تمہارے اوپر واجب نہیں ہوگی۔۴

۲۔ تفسیر قمی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپؐ کے پاس یہودیوں کے کچھ لوگ تھے جن میں عبداللہ بن سلام بھی تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی پس آنحضرتؐ اٹھ کر مسجد کی طرف گئے سامنے سے ایک سائل آ گیا آپؐ نے پوچھا کیا کسی نے تمہیں کچھ دیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اس نماز پڑھنے والے نے دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو وہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام تھے۔ یہی روایت تفسیر عیاشی میں بھی نقل ہوئی ہے۔۵

اختصار کے پیش نظر روایات کو مزید نقل کرنے سے صرف نظر کرتے ہوئے کتب اہل سنت سے چند روایات و اقوال مفسرین نقل کئے جاتے ہیں تا کہ اس نا قابل انکار حقیقت میں کسی قسم کے شک و شبہے کی گنجائش نہ رہے۔

روایات اہل سنت:

۱۔ ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری ثعلبی اپنی تفسیر میں اس آیت کے بارے میں بسلسلہ اسناد جناب ابوذرؓ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کے مطابق حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں:

میں نے خود اپنے کانوں سے رسول اللہؐ کو کہتے سنا (اگر میں غلط کہوں تو میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں) اور میں نے اپنی آنکھوں سے رسولؐ کو دیکھا (اگر میں جھوٹ کہوں تو میری دونوں

آنکھیں اندھی ہو جائیں) رسول خداؐ فرماتے تھے علیؑ نیکو کاروں کے قائد، کافروں کے قاتل ہیں جو علیؑ کی مدد کرے گا وہ نصرت یافتہ ہوگا اور جو علیؑ کا ساتھ نہیں دے گا اس کی مدد نہیں کی جائے گی ایک دن میں نے رسول خداؐ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی ایک سائل نے مسجد میں آ کر سوال کیا کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ حضرت علیؑ حالت رکوع میں تھے......آپؑ نے اپنی انگلی کی طرف اشارہ کیا جس میں انگوٹھی پہنے ہوئے تھے سائل نے بڑھ کر آپؑ کی انگلی سے انگوٹھی اتار لی اس پر رسول خداؐ نے نماز کے بعد اپنا سر مبارک آسمان کی طرف کر کے خدا کی بارگاہ میں یہ دعا مانگی:

اے میرے معبود! میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے سوال کیا تھا (کہا تھا کہ اے میرے معبود! میرے سینے کو کشادہ فرما میرے معاملہ کو آسان بنا، میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا ان کے ذریعے میری کمر مضبوط کر اسے میرا شریک کار قرار دے تا کہ ہم دونوں تیری زیادہ تسبیح کریں اور بہت زیادہ ذکر کریں۔ تو ہماری حالت کو بخوبی دیکھنے والا ہے) تو خداوند نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ تمہاری تمنائیں پوری کی گی ہیں اے میرے معبود! میں محمدؐ تیرا نبی ہوں میرے سینہ کو بھی کشادہ فرما میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے اہل میں سے علیؑ کو میرا وزیر بنا اس کے ذریعے میری کمر کو مضبوط کر......۔ جناب ابوذرؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم رسولؐ کا کلام پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ جبرائیل امینؑ اس آیت ﴿ **اِنَّما وَلِيُّكُم الله وَرَسُولَه وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا الَّذِيْنَ يُقِيْمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ راكِعُونَ** ﴾ کو لے کر نازل ہوئے۔[6]

۲۔ منتخب کنز العمال میں یہ روایت اس طرح نقل ہوئی ہے:

''عن ابی عباس قال تصدق علی بخاتمه وهو راكع فقال النبیؐ للسائل من اعطاک هذا. الخاتم قال ذاک الراكع فانزل الله فيه انما وليكم الله ورسوله الاية وكان فی خاتمه مكتوب سبحان من فخرنی بانی له عبد ثم كتب فی خاتمه بعدالله الملک''.[7]

یعنی ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بحالت رکوع اپنی انگوٹھی خیرات کی۔ آنحضرتؐ نے سائل سے پوچھا یہ انگوٹھی تمہیں کس نے دی ہے۔ اس نے کہا اس رکوع کرنے والے نے۔ اس پر یہ آیت انما ولیکم......الخ نازل ہوئی تمہارے حاکم وسرپرست بس خدا ورسول ہیں اور وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں آپؑ کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے سبحان ......الخ پاک وپاکیزہ ہے وہ خدا جس نے مجھے یہ فخر عطا فرمایا کہ میں اس کا بندہ ہوں۔ پھر آپ نے انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ کروائے الله الملک خدا ہی بادشاہ ہے۔

۳۔ حافظ الکبیر حاکم الحسکانی حنفی نیشاپوری شواہد التنزیل میں اپنی اسناد کے ساتھ ابن عباس سے آیہ مجیدہ: انما ولیکم الله ورسوله والذین آمنوا کے بارے میں کہتے ہیں: "نزلت فی علی بن ابی طالب علیه السلام" یعنی یہ آیت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اسی طرح یہ حدیث حافظ ابونعیم الاصبھانی نے اپنی کتاب "مانزل من القرآن فی علی یا المنتزع من القرآن فی علیؑ " میں نقل کی ہے۔

۴۔ تفسیر فتح القدیر میں شوکانی، ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ جب علی علیہ السلام نے رکوع کی حالت میں صدقہ دیا تو پیغمبر اکرمؐ نے سائل سے پوچھا: یہ انگوٹھی تجھے کس نے دی ہے؟ سائل نے عرض کی: اس شخص نے کہ جو رکوع کی حالت میں ہے۔ تب خداوند یہ آیہ مجیدہ: انما ولیکم الله...... الخ نازل فرمائی۔ پھر شوکانی مختلف تین دوسرے راویوں سے بھی یہی روایت نقل کرتے ہیں۔[9]

۵۔ محبّ الدین الطبری کتاب ریاض النضرہ میں لکھتے ہیں:

عن عبدالله بن سلام قال اذن بلال الصلوٰة الظهر فقام الناس یصلون فمن بین راکع وساجد وسائل یسئل فاعطاه علی خاتمه وهو راکع فاخبر السائل رسول الله(ص) فقرأ علینا رسول الله وانما ولیکم الله ورسوله والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰة ویؤتون الزکوٰة وهم راکعون الآیة[10]

یعنی عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ بلال موذن پیغمبرؐ نے نماز ظہر کے لئے

اذان کہی، لوگ نماز میں مشغول ہو گئے پس کوئی حالت رکوع میں تھا کوئی حالت سجود میں اور اسی وقت ایک سائل سوال کر رہا تھا علیؑ جو رکوع میں تھے انھوں نے اپنی انگوٹھی سائل کی طرف بڑھا دی۔ سائل نے اس بخشش کی خبر پیغمبرؐ کو جا کر دی اس پر پیغمبر اکرمؐ نے آیہ مجیدہ **انما ولیکم**............**الخ** سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ تمہارے امیر و حاکم پس اللہ، اس کے رسولؐ اور وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں، پڑھ کر سنائی۔

۶۔ علامہ سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں ثعلبی کے حوالے سے ابی ذر غفاریؓ سے منقول روایت کہ جو پہلے نقل کی جا چکی ہے، نقل کرنے کے بعد حسان بن ثابت کے وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں کہ جو انھوں نے اسی واقعہ کے بارے میں کہے تھے۔ چنانچہ حسان بن ثابت کہتے ہیں:

أباحَسَن تغدیک نفسی و مھیجتی

و کل بطیءٍ فی الھدیٰ و مسارعٍ

أیذھب مدحیک المحبر ضایعاً

وما المدح فی جنب الالٓه بضائعٍ

فانت الذی اعطیت اذ کنت راکعاً

زکٰاۃ فدتک النفس یاٰخیر راکعٍ

فأنزل فیک اللہ خیر ولایة

وثبتھاٰ مثنیٰ کِتاٰب الشرائعِ[11]

یعنی اے ابوالحسنؑ! میری روح وجان آپؑ پر فدا ہو اور جو بھی ہدایت کے راستے پر سستی، و تیزی سے چل رہا ہے آپؑ پر قربان ہو۔ آیا میری اور تیرے محبوں کی مدح وستائش تو ضائع ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا کے امر والی ستائش و مدح ضائع نہیں ہوتی۔ آپؑ وہی ہیں کہ جس نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دی ہے اے بہترین رکوع کرنے والے تیرے اوپر جان قربان جائے پس خداوند نے بہترین ولایت تیرے بارے میں نازل فرمائی ہے اور آیات محکم میں اسے ثبت کیا ہے۔

۷۔ شیخ مؤمن بن حسن الشبلنجی نے بھی کتاب نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار میں ابی ذر غفاریؓ سے یہی روایت نقل کی ہے اور آیہ مجید: ''انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا............الخ'' کو امیر المومنین علی علیہ السلام کے حق میں نقل کیا ہے۔۱۲

اس کے علاوہ جن علمائے اہل سنت نے اس آیہ مجیدہ کو علی علیہ السلام کے حق میں نقل کیا ہے ان کے نام اور ان کی کتابوں کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے اور ہم اختصار کے پیش نظر مذید عبارات نقل نہیں کرتے۔

۸۔ اسباب النزول القرآن۔ واحدی، ص۱۹۲۔

۹۔ تفسیر الدر المنثور، ج۲، ص۵۱۹، ۵۲۰۔

۱۰۔ تفسیر القرطبی، ج۶، ص۲۰۷۔

۱۱۔ مناقب علی بن أبی طالب از ابن المغازلی الشافعی، ص۳۱۱، حدیث: ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶۔

۱۲۔ ینابیع المودۃ از قندوزی الحنفی، ج۱، ص۳۴۶، ج۲، باب ۵۶، ص۱۷۷، ۱۹۲، باب ۵۸، ص۳۷۰۔

۱۳۔ تفسیر الکشاف از زمخشری، ج۱، ص۶۲۴، طبع بیروت۔

۱۴۔ تفسیر طبری، ج۴، ص۶۲۸، ۶۲۹، حدیث: ۱۲۲۱۵، ۱۲۲۱۴، ۱۲۲۱۶، ۱۲۲۱۸، ۱۲۲۱۹۔

شبہات:

آیہ ولایت کے بارے میں کتب اہل سنت میں بہت سی احادیث و روایات نقل ہونے کے باوجود اور اس آیت کے امیر المؤمنین علیؑ کے حق میں نزول کے واضح و روشن ہونے کے بعد بھی بعض افراد نے امام علیؑ کے حق میں اس آیہ کی دلالت کو مخدوش ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض بے بنیاد شبہات کے ذریعے اپنے بغض کی آتش بجھانے کی سعی کی ہے لہذا ان شبہات کو مع جوابات کے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ''الذین'' جمع کے لئے ہے اور ایک فرد پر قابل تطبیق نہیں

بالفاظ دیگر آیت کہہ رہی ہے کہ تمہارے ولی وہ لوگ ہیں کہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں یہاں بہت سے لوگوں کا ذکر ہے نہ کہ ایک شخص کا لہذا اس سے ہم کس طرح تنہا علی علیہ السلام کو مراد لے سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی انوکھی بات نہیں کہ جمع کا صیغہ لا کر اس سے ایک فرد مراد لیا جائے بلکہ عربی ادب میں بارہا دیکھا گیا ہے کہ لفظ جمع سے مفرد مراد لیا گیا ہے اس کی مثالیں خود قرآن مجید میں بھی فراوان ہیں ملاحظہ فرمائیے:

الف: ﴿**الذین قال لهم الناس ان النّاس قدجمعالکم فاخشوهم فزادهم ایماناً وقالوا حسبنا الله ونعم الوکیل**﴾ (آل عمران/۱۷۳)

یعنی وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف ایکا کر لیا ہے تم ڈروان سے مگر ان کے ایمان میں اوراضافہ ہی ہوا۔ انھوں نے کہا خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے۔

آیت میں ناس (لوگوں نے کہا) استعمال کیا گیا ہے حالانکہ تمام مفسرین ومحدثین کا اجماع ہے کہنے والا فقط ایک شخص تھا جس کا نام نعیم بن مسعود اشجعی ہے خداوند عالم نے صرف ایک نعیم بن مسعود پر کہ جو مفرد ہے لفظ ناس کا اطلاق کیا ہے کہ جو جماعت کے لئے بولا جاتا ہے ایسا کیوں کہا گیا ان لوگوں کی عظمت وجلالت بیان کرنے کے لئے جنھوں نے نعیم بن مسعود کی باتوں پر توجہ نہیں کی اور اس کے ڈرانے سے ڈرے نہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ ابوسفیان نے نعیم بن مسعود کو دس اونٹ اس شرط پر دیئے کہ وہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرے اور مشرکین سے خوف دلائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ نعیم نے اس دن جو باتیں کہی تھیں انھیں میں سے ایک یہ جملہ بھی تھا: لوگوں نے تمہارے خلاف ایکا کر لیا ہے تم ڈروان سے، اس کے ڈرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مسلمان جنگ میں جانے سے گھبرا گئے لیکن پیغمبرؐ ۷۰ سواروں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور صحیح وسالم واپس آ گئے۔ اس موقع پر یہ آیت ان ستر مسلمانوں کی مدح میں نازل ہوئی جو رسولؐ کے ہمراہ گئے اور ڈرانے والے کے کہنے سے ڈرے نہیں۔ خداوند عالم نے یہاں مفرد (یعنی نعیم بن مسعود) پر ناس کا لفظ جو بولا ہے اس میں یہ نکتہ ہے کہ ان ستر (۷۰) افراد کی

تعریف کہ جو رسولؐ کے ہمراہ گئے تھے یہ کہہ کر کرنا کہ وہ لوگوں کے کہنے اور ڈرانے سے نہیں ڈرے کہیں بلیغ تر ہے بہ نسبت اس کے کہ اگر یہ کہا جاتا کہ وہ ایک شخص کے ڈرانے سے نہیں ڈرے (کیونکہ ایک شخص کا خوف دلانا اتنا خوف کا باعث نہیں ہوتا جتنا ایک گروہ کا ڈرانا خوف کا باعث ہوتا ہے)۔۱۳

ب: ﴿**یاایھاالذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء...........تسرون الیھم بالمودة**﴾ (ممتحنہ/۱)

اس آیت میں کلمہ اولیاءاور الیھم کی دو ضمیریں جمع کی ہیں جبکہ روایات کے مطابق یہ آیت ایک شخص حاطب بن ابی ملبغتہ پر منطبق ہوتی ہے۔۱۴

ج: ﴿**یقولون لئن رجعنآالیٰ المدینة لیخرجن الا عزمنها الاذل**﴾ (منافقون/۸)

یہاں بھی یقولون جمع کا صیغہ ہے لیکن روایات کے مطابق فقط ایک شخص پر منطبق ہوتا ہے اور وہ رئیس منافقین عبداللہ بن ابی بن سلول ہے۔۱۵

یہاں بہت زیادہ مثالیں ہیں جن میں سے کچھ آیہ مباہلہ کے ذیل میں پیش کی جائیں گئیں یہاں فقط تفسیر الکشاف کے مؤلف علامہ زمخشری کا ایک نکتہ پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ زمخشری کا جواب: علامہ زمخشری تفسیر الکشاف میں آیہ مجیدہ ﴿**انماولیکم اللہ............الخ**﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وأنها نزلت فی علی کرم الله وجهه حین سأله سائل هوهوراکع فی صلاته فطرح له خاتمه کأنه کان مرجاً فی خنصره،فلم یتکلف لخلعه کثیرعمل تفسد بمثله صلاته ،فان قلت: کیف صح أن یکون لعلی رضی الله عنه واللفظ لفظ جماعة؟قلت جیٔ به علی لفظ الجمع وان کان السبب فیه رجلا واحداً لیرغب الناس فی مثل فعله فینالوا مثل ثوابه، ولینبه علی أن سجیة المؤمنین یجب أن تکون علی هذه الغایة من الحرص علی البرّوالاحسان وتفقدالفقراء ،حتیٰ ان لزهم امرلایقبل التأخیر وهم فی الصلاة لم یؤخروه الیٰ لفرغ منها''.۱۶

یعنی یہ آیت علی کرم اللہ وجہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب ایک سائل نے ان سے سوال کیا اور وہ نماز کے رکوع میں تھے انھوں نے اپنی انگوٹھی اس کی طرف بڑھا دی گویا وہ ان کی چھوٹی انگلی میں تھی اور انتہائی آسانی سے نکالی جاسکتی تھی جس کے نکالنے سے اس فعل کثیر کی ضرورت نہ تھی کہ جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اگر تم کہو: اس آیت کا حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہونا کیسے صحیح ہے حالانکہ لفظ جمع استعمال ہوا ہے تو میں کہوں گا کہ گو یہ آیت شخص واحد ہی کے متعلق ہے مگر لفظ جمع اس لئے لایا گیا تاکہ دوسروں کو بھی ان جیسا (عمل) کرنے کی رغبت پیدا ہو وہ بھی ایسی جزا پائیں جیسی علیؑ کو ملی ہے ایک وجہ تو یہ تھی دوسری وجہ ہے کہ خداوند عالم متنبہ کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو مؤمنین کی خصلت ایسی ہونی چاہیے کہ نیکی واحسان کرنے اور محتاجوں ونادار افراد کی تلاش وجستجو میں اس درجہ آرزومند ہونا چاہیے کہ اگر وہ نماز کی حالت میں بھی ہوں تو اسے نماز سے فراغت پر نہ اٹھا رکھیں بلکہ نماز ہی کی حالت میں بجا لائیں۔

علامہ طبرسی مجمع البیان میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں امیر المؤمنین کے لئے جمع کا لفظ استعمال کرنے میں قدرت کو یہ نکتہ ملحوظ تھا کہ آپؑ کی بزرگی ظاہر کرے اور آپؑ کی عظمت وجلالت بیان کرے۔ اہل لغت بطور تعظیم جمع بول کر واحد مراد لیا کرتے ہیں اور یہ ان کی بہت مشہور عادت ہے اس پر کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

علامہ شرف الدین المراجعات میں ایک انتہائی لطیف نکتے کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہاں خداوند نے مفرد کا لفظ چھوڑ کر جمع کا لفظ جو استعمال فرمایا ہے تو اکثر لوگوں پر اس کا بڑا فضل وکرم ہوا ہے کیونکہ علیؑ اور بنی ہاشم کے دشمن اور دوسرے تمام منافقین اور حسد وکینہ رکھنے والے لوگ اس آیت بصیغہ مفرد سننا کیسے برداشت کرتے وہ اس طمع میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے کہ ممکن ہے کہ کسی دن نصیب یاوری کرے اور رسول اسلامؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد ہم حاکم بن جائیں جب ان کو یہ پتہ چلتا کہ خداوند عالم نے حکومت بس تین ہی ذاتوں میں منحصر کردی ہے یعنی خدا ورسولؐ اور علیؑ ہی فقط حاکم ہیں تو وہ مایوس ہوکر نہ معلوم کیا کیا آفتیں برپا کرتے اور اسلام کو کن کن خطرات

کا سامنا کرنا پڑتا ان کے فتنہ وفساد ہی کے خوف سے آیت میں باوجود علیؑ کے شخص واحد ہونے کے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا پھر بعد میں رفتہ رفتہ مختلف پیرایہ میں متعدد مقامات پر تصریح ہوتی رہی اور ولایت امیر المؤمنینؑ بہت سے دلوں پر شاق تھی اس لئے فوراً ہی کھلم کھلا اعلان نہیں کر دیا گیا اگر اس آیت میں مخصوص عبارت لا کر مفرد کا استعمال کر کے آپ کی ولایت کا اعلان کر دیا جاتا تو لوگ کانوں میں انگلیاں دے لیتے اور سرکشی پر اڑ جاتے یہی حکیمانہ انداز قرآن مجید کی تمام آیات میں جاری وساری ہے جو اہل بیتؑ کی شان اور فضائل امیر المؤمنینؑ میں نازل ہوئی ہیں ہم نے اپنی کتاب سبیل المؤمنینؑ میں اس کی محکم ادلہ وبراہین کے ساتھ باقاعدہ وضاحت کی ہے''۔[۷]

علامہ شرف الدین کا یہ نکتہ اپنی جگہ بجا لیکن ایک اور اہم نکتہ کہ جو راقم الحروف کے ذہن میں آتا ہے اور جو قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ علی علیہ السلام اور دوسرے آئمہ طاہرین کے نام ذکر نہ ہونے کا سبب ہے وہ یہ کہ خداوند متعال نے اپنی اس حکیمانہ روش کے ذریعے جہاں قرآن مجید کو تحریف وتبدل کے خطرات سے محفوظ رکھا ہے وہاں تا قیام قیامت خالص ونا خالص مسلمانوں کی آزمائش کا وسیلہ بھی فراہم کر دیا ہے کہ کون لوگ پیغمبر اسلامؐ کے فرمودات کے سامنے اپنی دنیوی ہوس وخواہشات کو قربان کر کے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور کون لوگ اپنی توجیہات وبہانہ تراشیوں کے ذریعے پیغمبر اسلامؐ کے صریح فرمودات واحکام کے مقابلے میں قد علم کرتے ہیں۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت وولایت جیسے دنیوی ریاست وحکومت سے مربوط مسئلے میں کس طرح فضائل اہل بیت اطہارؑ سے متعلق نازل ہونے والی یہ آیات کریمہ مؤمنین کی آزمائش وامتحان کا میدان بنی ہوئی ہیں اور بڑے بڑے زہد وتقویٰ رکھنے والے علماء جب ان آیات کریمہ پر آتے ہیں تو پیغمبر اسلامؐ کی جانب سے ان آیات کی وضاحت وتفسیر میں روشن ترین احادیث وفرمودات اپنی کتابوں میں نقل کرنے کے باوجود ان کے بارے میں ہزار ہزار تاویلات، توجیہات اور بہانہ تراشیاں شروع کر دیتے ہیں اور کسی بھی طرح اپنی من پسند شخصیات کے مقابلے میں ان خدا پسند ہستیوں کو ترجیح دینے پر تیار نہیں ہوتے۔

۲۔ ایک دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ ہمیشہ ایک خاص توجہ واستغراق کی کیفیت میں

نماز پڑھتے تھے اور انھیں نماز وعبادت کی حالت میں اپنے اردگرد کا احساس تک نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ نماز کی حالت مین ان کے پاؤں سے تیر نکالا گیا لیکن انھیں خبر تک نہ ہوئی لہذا اس طرح نماز کی حالت میں فقیر کی صدا سننا اور اس کی طرف متوجہ ہونا حضرت علیؑ جیسی ہستی سے بعید ہے اور ان سے اس طرح کی نسبت دینا ان کی توہین ہے۔

جواب: یہ بظاہر انتہائی میٹھا سا اعتراض ہے گویا معترض امیر المؤمنین کی عبادت میں توجہ واستغراق کا انتہائی معتقد ہے لیکن اس اعتراض کے پس پردہ جو غرض ونیت پنہان ہے وہ انتہائی خطرناک ہے گوکہ یہ اعتراض فخر رازی جیسے متعصب افراد کی طرف سے اٹھایا گیا ہے کہ جو اس آیت کے شان نزول میں وارد ہونے والی روایات کو نقل وقبول کرنے کے بعد ۱۸ بھی اس قسم کے بے بنیاد شبہات وارد کرنے سے باز نہیں رہ سکے۔ لیکن تعجب ہوتا ہے پاک وہند میں موجود اموی مشنریوں پر کہ جو یہاں امیر المؤمنین علیہ السلام کی توہین پر اتنے بے چین ہوگئے ہیں!! اور انھیں جنگ صفین میں امیر علیہ السلام کے پاؤں سے تیر نکالے جانے والا واقعہ بھی یاد آ گیا ہے جبکہ انھیں کے بڑوں نے دمشق میں معروف کرر کھا تھا کہ علیؑ بے نمازی ہے!!! اور جب امیر المؤمنینؑ کی محراب عبادت میں شہادت کی خبر دمشق میں پہنچتی ہے تو اہل دمشق تعجب کرنے لگتے ہیں کہ علیؑ بھی نمازی تھے انھیں معترضین کے اسلاف تھے کہ جو میدان کربلا میں اسی علی بن ابی طالبؑ کے فرزند دلبند حسین بن علیؑ کی نماز پر اعتراض کرتے تھے کہ اے حسینؑ تیری نماز قبول نہیں!!

لیکن تعصب وخود غرضی کیسے کیسے رنگ بدلتی ہے آج یہی لوگ امیر المؤمنین کی عبادت وریاضت کو علیؑ کے خلاف استعمال کر رہے ہیں یہ جملہ معترضہ تھا۔ اب ہم اصل جواب کی طرف آتے ہیں وہ یہ کہ یہ لوگ اس بات سے غافل ہیں کہ سائل کی صدا سننا اور اس کی مدد کرنا اپنے آپ کی طرف توجہ نہیں بلکہ عین خداوند کی طرف توجہ ہے۔ علی علیہ السلام نماز کی حالت میں اپنے آپ سے غافل تھے نہ کہ خداوند سے۔ اور سب جانتے ہیں کہ خلق خدا سے لاپروائی خداوند سے لاپروائی ہے بالفاظ دیگر نماز کی حالت میں زکات دینا، درحقیقت عبادت کے ضمن میں عبادت بجالانا ہے نہ کہ عبادت کے ضمن میں

ایک مباح عمل انجام دینا ہے اور پھر جو چیز روح عبادت کے منافی ہے وہ مادی و شخصی زندگی سے متعلق مسائل کی طرف توجہ کرنا ہے لیکن رضائے خدا سے متعلق مسائل کی طرف توجہ، روح عبادت کے منافی نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے اور پھر یہ توجہ بھی رہے کہ خداوند کی جانب توجہ واستغراق کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بے اختیار اپنے احساس سے ہاتھ دھو بیٹھے بلکہ جو چیز خدا کے لئے نہیں اور اس کی جانب توجہ کے مانع ہے اس سے اپنے ارادے کے ساتھ توجہ ہٹا سکے اور پھر اس آیت کے شان نزول میں منقول بعض روایات میں ہے کہ جب سائل نے مسجد میں سوال کیا تو کسی نے اسے جواب نہیں دیا سائل نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند کر کے کہا: اے خداوندا! تو شاہد ہے کہ میں نے تیرے نبیؐ کی مسجد میں دست سوال دراز کیا ہے لیکن کسی نے مجھ جواب نہیں دیا اور مجھے کچھ بھی عطا نہیں کیا۔ اس وقت علیؑ نماز کی حالت میں تھے انھوں نے اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا اس میں ایک انگوٹھی تھی جو انھوں نے سائل کی جانب بڑھادی............الخ۔[19]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب سائل نے خدا کی جانب رجوع کیا اور دست سوال بڑھایا تو جو خدا کی بارگاہ میں حاضر تھا اس نے فوراً سائل کو جواب دے دیا اور پھر روایات میں ہے کہ کسی مانگنے والے کا ہاتھ درحقیقت خدا کا ہاتھ ہے اسے رد نہ کرو لہذا سائل کی صدا پر جواب دینا عین خداوند کی جانب توجہ ہے نہ کہ مخلوق کی طرف۔

گوکہ یہ اعتراض انتہائی سطحی انداز میں اور بدنیتی پر مبنی ہے اس لئے اس کا جواب اسی حد تک کافی ہے اس کا ایک عرفانی جواب بھی ہے کہ جو معرفت امام اور انسان کامل کے درجات سے متعلق ہے اس کی جانب علامہ شہید مرتضیٰ مطہری نے امامت و رہبری میں اشارہ کیا ہے۔ شاید سوال کرنے والوں کے لئے قابل قبول نہ ہو چونکہ جو لوگ انبیائے الٰہی حتیٰ ختم رسل پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت سے محروم ہیں اور آنحضرتؐ کو اپنے جیسا بشر جانتے ہیں وہ امام اور انسان کامل کی معرفت کیا جانیں۔

۳۔ ایک اعتراض کلمہ ولی کے معنی میں کیا گیا ہے اور ولی کو دوست و ناصر (مددگار) کے معنی میں

لیا گیا ہے نہ بمعنی صاحب اختیار، متصرف اور سرپرست کے۔ اس کا جواب جیسا کہ وجہ دلالت میں بھی کہا گیا ہے کہ ولی، دوست و مددگار کے معنی میں نہیں ہوسکتا چونکہ یہ صفت تو تمام مومنین کے لئے ثابت ہے سب مومنین ایک دوسرے کے دوست و ناصر ہیں نہ کہ خاص مومنین ہی ایک دوسرے کی مدد ونصرت کر سکتے ہیں تا کہ ولی کا معنی انما کہہ کر ان میں منحصر کر دیا جائے یہ ایک عمومی صفت ہے اسے منحصر کرنے کی ضرورت نہیں آیت میں ایک خصوصی حکم بیان کیا جا رہا ہے لہذا ایمان کی صفت بیان کرنے کے بعد خاص صفات بیان کی جا رہی ہیں کہ جو ایک شخص سے مختص ہیں اور پھر اشھد ان علیاً ولی اللہ کے سلسلے میں عرض ہے کہ نحو کا ابتدائی طالب بھی جانتا ہے کہ اضافت کے لئے کسی طرح کی مناسبت ہونا کافی ہے۔ ولی اللہ کے معنی اللہ کے اوپر حاکم نہیں ہے بلکہ اللہ کی جانب سے حاکم و سرپرست ہے۔

۴۔ ایک سوال یہ کہ نماز میں انگلی سے انگوٹھی اتارنا فعل کثیر ہے کہ جو نماز کے منافی ہے۔

یہ بھی ایک طرح کا بچگانہ سوال ہے اور اندھے تعصب کا نتیجہ ہے زکوۃ دینا خود عبادت ہے لہذا عبادت کے ضمن میں عبادت بجالانا رجوع قلب کے منافی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ نماز میں بہت سے کام جائز ہیں اور فعل کثیر شمار نہیں ہوتے مثلاً سانپ وعقرب اور دوسرے مضر حشرات وغیرہ کا مارنا، بچے کو اٹھانا یا بیٹھنا، حتیٰ بعض نے بچے کو دودھ پلانے کو بھی فعل کثیر نہیں جانا ہے اب ایک اشارے سے انگوٹھی عطا کرنا کس طرح فعل کثیر ہوسکتا ہے۔

۵۔ بعض کہتے ہیں حضرت علیؑ پر کون سی واجب زکوۃ تھی جبکہ مال دنیا میں سے ان کے پاس تھا ہی کیا کہ وہ زکوۃ دیتے اور اگر صدقہ مستحب مراد ہے تو اسے زکوۃ نہیں کہتے۔

جواب: تاریخ گواہ ہے کہ علی ابن ابی طالبؑ نے اپنی محنت ومزدوری سے بہت سا مال حاصل کیا ہے اور پھر اسے راہ خدا میں خرچ کیا ہے امام علی السلام نے بہت سے کنوئیں کھودے، باغات ونخلستان لگائے اور ان کی درآمد سے غریب غرباء اور مساکین کی مدد کی ہے اس مطلب کی تائید میں بہت سی روایات موجود ہیں یہاں فقط ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

کان امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ یضرب بالمرو یستخرج الارضنین..........وان امیر المؤمنین اعتق الف مملوک من مالہ و کدیدہ[20]

یعنی امیر المؤمنین علی علیہ السلام بیل سے زمین پر کام کرتے تھے اور کھیتی باڑی کے ذریعے زمینی نعمات نکالتے تھے امیر المومنین علی السلام نے اپنی محنت مزدوری اور شخصی مال سے ہزار غلام خرید کرآزاد کیے ہیں۔اس کے علاوہ جنگی غنائم سے بھی ان کا حصہ وافر مقدار میں تھا لہذا نہیں کہہ سکتے کہ علی علیہ السلام کے پاس اتنا مال بھی نہیں تھا کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی۔

دوسری بات یہ کہ صدقے اور مستحبی زکوٰۃ پر بھی زکات کا اطلاق ہوتا ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں بہت زیادہ ہیں۔[21] بہت سی مکی سورتوں میں کلمہ زکات آیا ہے کہ اس سے مراد وہی مستحبی زکوٰۃ ہے۔صدقے اور مستحبی زکات پر زکات کا اطلاق کوئی نئی بات نہیں لہذا صدقے میں دی گئی انگوٹھی کو زکوٰۃ کہنے میں کیا حرج ہے۔

۞۞۞۞

حوالہ جات

۱۔احقاق الحق، ج۲،ص۳۹۹ تا ۴۱۰۔

۲۔غایۃ المرام، باب ۱۸۔

۳۔المائدہ/۶۷۔

۴۔اصول کافی، ج۱،ص۲۸۹، غایۃ المرام،ص۱۰۷، باب ۱۹، حدیث ۵۔

۵۔المیزان، ج۶،ص۱۷۔تفسیر عیاشی، ج۱،ص ۳۲۸۔

۶۔تفسیر المیزان، ج۶،ص۲۱۔

۷۔منتخب کنز العمال،ص ۳۸، ج۶۔

۸۔شواہد التنزیل،لقواعد التفضیل، ج۱،ص۲۰۹، حدیث ۲۱۶۔

۹۔ فتح القدیر، ج۲، ص۵۳۔

۱۰۔ ریاض النضرہ، ج۲، ص۲۲۷۔

۱۱۔ تذکرۃ الخواص، ص۲۵۔ مجمع البیان، ج۳، ص۳۲۵ نیز یہی اشعار المناقب خطیب خوارزمی، کفایۃ الطالب، گنجی، ص۱۰۷ میں بھی نقل ہوئے ہیں۔

۱۲۔ نورالابصار، ص۱۵۸۔

۱۳۔ المراجعات المراجعۃ۴۲، ص۳۷۷۔

۱۴۔ المیزان، ج۶، ص۹۔

۱۵۔ المیزان، ج۶، ص۹۔

۱۶۔ تفسیر الکشاف، ج۱، ص۶۲۴۔

۱۷۔ ماخوذ از المراجعات، ص۳۷۹، المراجعہ ۴۲۔

۱۸۔ رجوع کیجئے: التفسیر الکبیر، ج۱۲، ص۳۰، طبع مصر۔

۱۹۔ کشف البیان، نقل از احقاق الحق، ج۳، ص۵۰۴۔

۲۰۔ فروع کافی، ج۵، ص۴۷۔

۲۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: المیزان، ج۶، ص۱۰، ۱۱۔

اھل بیتؑ کالغوی و اصطلاحی مفھوم ومصداق اور مفسرین کی آراء

مصطفیٰ بہشتی
فاضل حوزہ علمیہ قم

جب کسی چیز کا مفہوم معلوم نہ ہوتو اس کے دیگر لوازمات کے بارے میں بحث اور گفتگو کرنا مشکل ہوتا ہے اور مفہوم کی پہچان کے بعد اس چیز کا مصداق متعین ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ یہ صرف ذہنی اور کلی بحث کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوگی۔ بنابریں کسی چیز کے مفہوم اور مصداق کا تعین کرنا ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ قرآن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں بہت زیادہ تاکید ملتی ہے اور بہت سے اسلامی مسائل کا تعلق اسی کلمہ کی وضاحت پر منحصر ہے۔ لہذا اس کا مفہوم اور اس کے مصداق کا متعین ہونا ایک ضروری امر ہے۔

چونکہ اگر کلمہ اہل بیتؑ کا مفہوم اور مصداق ہمارے لیے واضح ہوگیا تو گویا مرکز علم وحکمت اور مرجع دینی وعلمی ہمارے لیے واضح ہو جاتا ہے چونکہ جو بھی مصداق اہل بیتؑ قرار پائے گا وہی مسلمانوں کا مرجع دینی وعلمی مانا جائے گا۔ حدیث ثقلین کی تناظر میں اگر دیکھا جائے۔ تو یہی اہل بیتؑ ہی ہیں جن کی پیروی کا حکم پیامبر اکرم ﷺ نے اپنے زبان مبارک سے دیا ہے، حوض کوثر پر ملاقات بھی انہی کے اتباع میں مضمر ہے اور رسول اکرمؐ نے انہی ہستیوں کو قرآن کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ضلالت وتاریکی، اہل بیتؑ کی نافرمانی میں اور فلاح وکامیابی ان کی اطاعت میں منحصر ہے۔ مختصر یہ کہ پیامبر اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ انسان کے لیے دنیاوی اور اخروی سعادت بھی انہی کی پیروی کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی بناء پر مکتب تشیع

میں تمام معارف اسلامی چاہے وہ اعتقادات ہوں یا شرعی احکام، اخلاقیات ہوں یا سیاسی واجتماعی مسائل، ان سب امور میں اہل بیتؑ سے راہنمائی لینا واجب ہے اور اسی طرح سیاسی اور اجتماعی حاکمیت کا حق بھی صرف اہل بیتؑ کے ساتھ مختص ہے چونکہ اہل بیتؑ ہی پیامبر اکرم ﷺ کے حقیقی جانشین ہیں اور نبوت کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کے باقی تمام منصبوں کے حامل ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی طرح گناہ اور نسیان سے پاک ہیں۔ان کا قول فعل اور سیرت بھی رسول اکرم ﷺ کے قول وفعل اور سیرت وکردار کی طرح حجت ہے۔اسی بنا پر لسان وحی اور زبان نبوت پر جاری ہونے والے کلمہ ''اہل بیت'' کے مفہوم اور مصدق کا تعین کرنا ایک ناگزیر امر ہے۔

لغت میں اہل بیت گھر کے ساکنین کو کہتے ہیں۔مجمع البحرین اور مفردات راغب میں اس کی تعریف کچھ یوں ہے۔کسی شخص کے اہل بیت سے مراد وہ افراد ہوتے ہیں جو اس کے خاندان میں سے ہوں اور جو اس کے ساتھ اس کے گھر میں سکونت پذیر ہو۔[۱] راغب اور ابن منظور نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر اہل بیت کی اصطلاح بطور مطلق استعمال ہو جائے تو اس سے مراد رسول اکرم ﷺ کا خاندان ہے[۲] یہ تو اس کا لغوی معنی ومفہوم ہے۔

قرآن میں کلمہ اہل بیت کا استعمال:

اہل بیت کا لفظ قرآن کریم میں دو جگہ پر استعمال ہوا ہے۔ایک حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کے بارے میں کہ جب حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ حضرت سارہ کو خطاب ہوتا ہے:'' قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه عَلَيكُمْ اَهْلَ لْبيتِ. [۳]

ترجمہ: فرشتوں نے کہا کہ کیا تمہیں حکم الہٰی میں تعجب ہو رہا ہے؟۔اللہ کی رحمت اور برکت تم گھر والوں پر ہے۔

دوسرا سورۂ احزاب کی آیت (۳۳) میں رسول اکرم ﷺ کے خاندان کے بارے میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ لْبيتَ وَ يُطَهِّرَ هُمْ تَطْهِيْرًا''۔

ترجمہ:بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیتؑ کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔[۴]

۔اب دیکھتے ہیں کہ دینی اصطلاح میں ''اہل بیت'' اور مصداق اہل بیت کیا ہے۔اہل بیتؑ ایک اصطلاح کے عنوان سے سورۂ احزاب کی اسی آیت کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان رائج ہوا۔اہل بیتِ رسول اکرمؐ کا مصداق کون ہے۔یعنی؛دینی اصطلاح میں رسول کے اہل بیت میں کون کون شامل ہے؟اس سلسلے میں مفسرین اور علمائے علم کلام کے درمیان اس کے بارے میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔البتہ یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ تمام شیعہ مفسرین اور اکثریت قریب الا تفاق اہل سنت علماء و مفسرین کے نزدیک امیر المومنین علی ،حضرت فاطمہ زہرا ،حضرت امام حسن ،اور حضرت امام حسین علیہم السلام اہل بیتؑ کے مصداق ہیں۔یعنی پنجتن آل عبا یقیناً اہل بیتؑ میں شامل ہیں۔باقی لوگ مورد بحث ہیں کہ آیا وہ اہل بیتؑ کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں۔کتب فریقین میں اہل بیت کے مصداق کے بارے میں کلی طور پر چار اہم آراء ملتی ہیں۔

پہلی رائے :۔اہل بیتؑ سے مراد درج ذیل افراد ہیں :امیر المومنین حضرت امام علیؑ ،حضرت فاطمہؑ،حضرت امام حسنؑ ،حضرت امام حسینؑ اور زوجات پیامبر اکرم ﷺ۔اکثر مفسرین اہل سنت کا یہی نظریہ ہے۔یہ مفسرین حضرات پنجتن آل عبا کو اہل بیت پیامبر ﷺ کے حقیقی مصداق کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کی زوجات گرامی کو بھی اہل بیت میں شامل ہونے پر اصرار کرتے ہیں،ان علماء میں سے نمایاں اور معروف حضرات یہ ہیں :محمد بن جریر طبری جو اپنی تفسیر ''جامع البیان عن تاویل ای القرآن'' میں سے اسی نکتہ پر زور دیتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد پنجتن پاک اور رسول اکرم ﷺ کی زوجات گرامی ہیں۔[۵]

اسی طرح اہل سنت کے مشہور اور معروف مفسر جناب فخر رازی اپنی تفسیر ''الکبیر و مفاتیح الغیب'' میں اسی نظریہ کو پیش کرتے ہیں کہ اہل بیتؑ سے مراد امام علیؑ ، فاطمہ زہراؑ ،امام حسنؑ ،امام

حسینؑ اور زوجات گرامی رسول اکرم ﷺ ہیں۔

اہل سنت کے ایک اور معروف مفسر ''ثعالبی'' اپنی تفسیر ''الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن'' میں یہی لکھتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اہل بیتؑ سے مراد پنجتن آل عبا اور زوجات گرامی رسول اکرم ﷺ ہیں۔ ۷

ناصر الدین بیضاوی جو اہل سنت کے شہرت یافتہ مفسرین میں سے ہیں، انہوں نے بھی یہی نظریہ اپنی تفسیر 'تفسیر البضیاوی' میں پیش کیا ہے۔ ۸

یہ ایک نقطہ نظر ہے، جس میں پنجتن آل عبا بشمول زوجات گرامی رسول ﷺ کو اہل بیتؑ کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔

دوسری رائے: اہل بیت پیامبر ﷺ سے مراد رسول اکرم ﷺ کے سارے رشتہ دار ہیں جس میں زوجات، فرزندان اور سارے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب شامل ہیں۔

لیکن ذرا سا غور و فکر کرنے سے اس نقطہ نظر کا بطلان واضح ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جو فضلیت اس آیت میں اہل بیت رسولؐ کے لیے بیان ہو چکی ہے وہ رسول اکرم ﷺ کے سارے رشتے داروں کے لیے بھی ہو، حالانکہ رسول اکرم ﷺ کے رشتہ داروں میں ابولہب بھی آ جاتا ہے جسکی خدا نے صاف الفاظ میں مذمت کی ہے: ''تبت یدا ابی لھب و تب'' ۹ یعنی؛ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

اب ابولہب جیسا رسول اکرم ﷺ کا جانی اور سخت ترین دشمن کیا اہل بیتؑ میں شامل ہو سکتا ہے لہذا اس دیدگاہ پر زیادہ بحث و گفتگو کرنا لغو ہے۔ اس نظریہ کو پیش کرنے والوں میں سب سے مشہور علی بن اسماعیل اشعری ہے۔ ۱۰

تیسری رائے: اہل بیت رسول اکرمؐ سے مراد فقط زوجات گرامی پیامبر اکرمؐ ہیں، باقی کوئی بھی اہل بیتؑ میں شامل نہیں۔ محمد بن علی شوکانی، پنی تفسیر ''فتح القدیر'' میں لکھتے ہیں کہ بخاری، ابن عساکر، ابن مردویہ، ابن ابی حاتم اسی نظریہ کے طرف دار ہیں۔ ۱۱

البتہ اس نظریہ کا بطلان بھی واضح ہے کیونکہ یہ نظریہ جمہور علماء اہل سنت کے خلاف ہے، جنہوں نے پنجتن آل عبا کے اہل بیتؑ میں شامل ہونے کو لازمی قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ نظریہ روایات متواتر کے بھی برخلاف ہیں جن میں پنجتن آل عبا کو اہل بیتؑ کا مصداق قرار دیا گیا۔ لہذا یہ نظریہ فقط مکتب تشیع کے لیے قابل قبول نہیں بلکہ خود اہل سنت کے علماء اور مفسرین بھی اس نظریہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

چوتھی رائے: آیت تطہیر میں اہل بیت رسولؐ سے مراد صرف امیر المومنین امام علی ابن ابی طالب، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسن، اور حضرات امام حسین علیہم السلام ہیں اور لفظ اہل بیت کا اطلاق ان کے علاوہ کسی اور پر نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ ساتھ شیعہ مفسرین رسول اکرم ﷺ کے اس حدیث متواتر سے تمسک کرتے ہوئے کہ جس میں بارہ ''خلفاء'' کا ذکر پایا جاتا ہے، امام حسینؑ کے نو فرزندوں کو بھی مصداق اہل بیتؑ قرار دیتے ہیں۔ ہم ان شیعہ مفسرین میں سے چند بزرگ علماء کے کلام کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

شیعوں کے معروف مفسر شیخ طوسیؒ اپنی تفسیر ''التبیان فی تفسیر القرآن'' میں فرماتے ہیں: اہل بیت سے مراد امیر المومنین علی ابن ابی طالب، فاطمہ زہرا، امام حسن، اور امام حسین علیہم السلام ہیں۔۱۲ اسی طرح شیعوں کے ایک مشہور مفسر فضل بن حسن طبرسیؒ اپنی تفسیر ''مجمع البیان فی تفسیر القرآن'' میں لکھتے ہیں: اہل بیت سے مراد پنجتن آل عبا ہیں اور اس کے علاوہ یہ آیت کسی کو شامل نہیں۔۱۳

عصر حاضر کے ایک عظیم اور نامور شیعہ مفسر علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ اپنی تفسیر ''تفسیر المیزان''' میں اسی نظریہ کو بیان کرتے ہیں۔۱۴ اس کے علاوہ اہل سنت کے بعض مشہور مفسرین اور برجستہ علمائے بھی اسی نظریہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ علماء حضرات ام سلمہؓ کے حدیث صحیح کو سند قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ام سلمہؓ کے حدیث صحیح کی بناء پر آیہ تطہیر، پیامبر اکرم ﷺ، امام علی، فاطمہ زہرا، امام حسن، اور امام حسین علیہم السلام کے ساتھ مختص ہے۔ محمد بن علی شوکانی، اپنی تفسیر فتح

القدیر میں لکھتے ہیں: ترمذی، طبری، ابن منذر اور حاکم نیشاپوری یہ وہ علماء ومفسرین ہیں جو آیہ تطہیر کو رسول اکرمؐ، امام علیؑ، فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ساتھ مختص جانتے ہیں۔[۱۵] بعض یہ علماء مصداق اہل بیتؑ کو پنجتن آل عبا کو قرار دیتے ہیں اور کسی کو بھی اہل بیتؑ میں شامل نہیں کرتے۔

❁❁❁❁❁

حوالہ جات

۱۔راغب اصفہانی محمد المفردات فی غریب القرآن، دار احیاء، بیروت، التراث العربی۔۱۴۲۳ھ ق ۲۰۰۲م ۱۳۸۱ھ ش، ذیل مادہ 'اھل'

فخر الدین طریحی مجمع البحرین، المکتبۃ المرتضویہ لاحیاء الآثار الجعفر یہ مطبعۃ الادب ذیل مادہ 'اہل'

۲۔راغب اصفہانی، ایضاً، ابن منظور، لسان العرب، ذیل، مادہ 'اھل'

۳۔سورہ ھود آیت ۷۳۔

۴۔سورہ احزاب ۳۳۔

۵۔محمد بن جریر طبری، جامع البیان عن تاویل ای القرآن بیروت دار الفکر ۱۹۸۸م ذیل آیت تطہیر

۶۔فخر رازی، التفسیر الکبیر ومفاتیح الغیب، بیروت دار الفکر ۱۹۸۵م ذیل آیت تطہیر

۷۔ثعالبی۔الجواہر الحسان فی تفسیر القرآم بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۶ء، ذیل آیت تطہیر

۸۔ناصر الدین بیضاوی، تفسیر البیضاوی، بیروت دار الفکر ۱۹۹۶ء، ذیل آیت تطہیر

۹۔سورۂ لہب، آیت ا۔

۱۰۔علی بن اسماعیل اشعری، مقالات الاسلامین واختلاف المصلین، بیروت المکتبۃ العصریہ ۱۴۱۹ھ ق ۱۹۹۹ء ۱۳۷۸ھ ش

۱۱۔محمد بن علی شوکانی ''فتح القدیر''، ج ۴، ص ۲۷، بیروت، دار المعرفہ ۱۹۹۴ء

۱۲۔شیخ طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دار احیا التراث العربی، ذیل آیت تطہیر

۱۳۔فضل بن حسن طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، انتشارات ناصر خسرو ۱۴۱۸ھ ق، ذیل آیت تطہیر
۱۴۔محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان قم دفتر انتشارات اسلامی (جامعہ مدرسین) ذیل آیت تطہیر۔
۱۵۔محمد بن علی شوکانی، فتح القدیر، ج۴۔ص ۵۶۷

☆☆☆☆☆

میثاق مدینہ کے تناظر میں اجتماعی ،سیاسی، اقتصادی اور دفاعی تنظیم

سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حوالے سے ایک تحقیقی جائزہ

روشن علی

اسسٹنٹ پروفیسر وفاقی نظامت تعلیمات اسلام آباد

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ:''ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک تحریر لکھ دی، جس میں یہود کے ساتھ معاہدہ بھی تھا۔اس کے مطابق ان کے دین و مال کی حفاظت کا یقین دلایا گیا تھا۔ان کے حقوق بھی واضح کئے گئے تھے اوران پر شرائط بھی عائد کی گئی تھیں'' (۱) وہ معاہدہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) میثاق مدینہ کی عبارت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :ھٰذَا کِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَا لْمُسْلِمِیْنَ مَنْ قُرَیْشٍ وَ یَثْرِبَ وَ مَنْ تَبِعَھُمْ فَلَحِقَ بِھِمْ وَ جَاھَدَ مَعَھُمْ۔

۱ اِنَّھُمْ اُمَّةٌ وَاحِدَةٌ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ۔

۲ اَلْمُھَاجِرُوْنَ مِنْ قُرَیْشٍ عَلٰی رَبْعَتِھِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ بَیْنَھُمْ وَ ھُمْ یَفْدُوْنَ عَانِیْھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْن۔

۳ وَ بَنُوْا عَوْفٍ عَلٰی رَبْعَتِھِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ مَعَاقِلَھُمُ الْاُوْلٰی وَ کُلَّ طَائِفَةٌ تَفْدِیْ عَانِیُھَا بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

٤ وَ بَنُوْا الْحَارِثِ عَلٰی رَبْعَتِھِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ مَعَاقِلَھُمُ الْاُوْلٰی وَ کُلَّ طَائِفَةٍ تَفْدِیْ عَانِیُھَا بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

۵ وَ بَنُوا سَاعِدَةٍ عَلٰی رَبْعَتِہِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ مَعَاقِلَهُمُ الْاُوْلٰی وَکُلَّ طَائِفَةٌ تَفْدِیْ عَانِیَهَا بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

٦ وَ بَنُوا جُشَمْ عَلٰی رَبْعَتِہِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ مَعَاقِلَهُمُ الْاُوْلٰی وَکُلَّ طَائِفَةٌ تَفْدِیْ عَانِیَهَا بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

۷ وَ بَنُوا النَّجَارِ عَلٰی رَبْعَتِہِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ مَعَاقِلَهُمُ الْاُوْلٰی وَکُلَّ طَائِفَةٌ تَفْدِیْ عَانِیَهَا بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

۸ وَ بَنُوا عَمْرو بْنِ عَوْفٍ عَلٰی رَبْعَتِہِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ مَعَاقِلَهُمُ الْاُوْلٰی وَکُلَّ طَائِفَةٌ تَفْدِیْ عَانِیَهَا بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

۹ وَ بَنُوا النَّبِیْتِ عَلٰی رَبْعَتِہِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ مَعَاقِلَهُمُ الْاُوْلٰی وَکُلَّ طَائِفَةٌ تَفْدِیْ عَانِیَهَا بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

۱۰ وَ بَنُوا الْاَوْسِ عَلٰی رَبْعَتِہِمْ یَتَعَاقَلُوْنَ مَعَاقِلَهُمُ الْاُوْلٰی وَکُلَّ طَائِفَةٌ تَفْدِیْ عَانِیَهَا بِالْمَعْرُوْفِ وَالْقِسْطِ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

۱۱ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا یَتْرُکُوْنَ مُضْرَحًا بَیْنَهُمْ اَنْ یُعْطُوْهُ بِالْمَعْرُوْفِ فِیْ فِدَآءٍ اَوْ عَقْلٍ۔

۱۲ اَنْ لّا یُحَالِفَ مُؤْمِنٌ مَوْلٰی دُوْنَهٗ۔

۱۳ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُتَّقِیْنَ اَیْدِیَهُمْ عَلٰی کُلِّ مَنْ بَغٰی مِنْهُمْ اَوْ اِبْتَغٰی وَسِیْعَةَ ظُلْمٍ اَوْ اِثْمٍ اَوْ عُدْوَانٍ اَوْ فَسَادٍ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنِ وَ اِنَّ اَیْدِیَهُمْ عَلَیْهِ جَمِیْعًا وَ لَوْکَانَ وَلَدَ اَحَدِهِمْ۔

۱٤ وَ لَایَقْتُلُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنًا فِی کَافِرٍ وَ لَاتَنصِرُ کَافِرا عَلٰی مُؤْمِنٍ۔

۱۵ وَاِنَّ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَاحِدَةٌ یُجِیْرُ عَلَیْهِمْ اَدْنَاهُمْ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ بَعْضُهُمْ مَوَالِیَ بَعْضٍ دُوْنَ النَّاسِ۔

۱٦ وَ اِنَّهٗ مَنْ تَبِعَنَا مِنَ الْیَهُوْدِ فَاِنَّ لَهٗ النَّصْرَ وَالْاُسْوَةَ غَیْرَ مَظْلُوْمِیْنَ وَ لَامُتَنَاصِرِیْنَ عَلَیْهِمْ۔

۱۷ وَ اِنَّ سِلْمَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاحِدَةٌ وَ لَایُسَالِمُ مُؤْمِنٌ دُوْنَ مُؤْمِنٍ فِیْ قِتَالٍ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ اِلَّا عَلٰی سَوَاءٍ وَ عَدْلٍ بَیْنَهُمْ۔

۱۸ وَ اِنَّ کُلَّ غَازِیَة غَزَتْ مَعَنَا یَعْقِبُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔

۱۹ وَ اِنَّ الْمُؤمِنِینَ یُبِیْءُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ بِمَا نَالَ دِمَائَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

۲۰ وَاِنَّ الْمُؤمِنِیْنَ الْمُتَّقِیْنَ عَلی اَحْسَنِ هُدیً وَ اَقْوَمِہٖ۔

۲۱ وَ اِنَّهٗ لَایُجِیرُ مُشْرِکٌ مَالاً لِقُرَیْشٍ وَلَا نَفْسًا وَلَا یَحُوْلُ دُوْنَهٗ عَلی مُؤمِنٍ۔

۲۲ وَاِنَّهٗ مَنْ اِعْتَبَطَ مُؤمِنًا قَتْلًا عَنْ بَیِّنَةٍ فَاِنَّهٗ قَودٌ بِہٖ اِلَّا اَنْ یَرْضَی وَلِیُّ الْمَقْتُوْلِ وَ اِنَّ الْمُؤمِنِیْنَ عَلَیْہِ کَافَّةٌ وَلَایَحِلُّ لَهُمْ اِلَّا قِیَامٌ عَلَیْہِ۔

۲۳ وَ اِنَّهٗ لَایَحِلُّ لِمُؤمِنٍ اَقَرَّ بِمَا فِی هٰذِہِ الصَّحِیْفَةِ وَ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الاٰخِرِ اَنْ یَنْصُرَ مُحْدَثًا اَوْ یُؤْوِیْہِ وَ اِنَّهٗ مَنْ نَصَرَهٗ اَوْ اٰوَاهُ فَاِنَّ عَلَیْہِ لَعْنَةَ اللّٰہِ وَ غَضَبَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَایُؤْخَذُ مِنْهٗ صَرْفٌ وَلَاعَدْلٌ۔

۲۴ وَ اِنکُمْ مَهْمَا اِخْتَلَفْتُمْ فِیْہِ مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ مَرَدَّهٗ اِلی اللّٰہِ وَاِلیٰ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامِ۔

۲۵ وَ اِنَّ الْیَهُوْدَ یُنْفِقُوْنَ مَعَ الْمُؤمِنِیْنَ مَادَامُوْا مُحَارِبِیْنَ۔

۲٦ وَ اِنَّ یَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ اُمَّةٌ مَعَ الْمُؤمِنِیْنَ لِلْیَهُوْدِ دِیْنُهُمْ وَ لِلْمُسْلِمِیْنَ دِیْنُهُمْ مَوَالِیْهِمْ وَ اَنْفُسُهُمْ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَاَثِمَ فَاِنَّهٗ لَایُوْتِغُ اِلَّا نَفْسَهٗ وَ اَهْلَ بَیْتِہٖ۔

۲۷ وَ اِنَّ لِیَهُوْدَ بَنِی النَّجَارَ مِثْلَ مَا لِیَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ۔

۲۸ وَ اِنَّ لِیَهُوْدَ بَنِیْ اَلْحَارِثَ مِثْلَ مَا لِیَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ۔

۲۹ وَ اِنَّ لِیَهُوْدَ بَنِیْ سَاعِدَةٍ مِثْلَ مَا لِیَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ۔

۳۰ وَ اِنَّ لِیَهُوْدَ بَنِیْ جُشَم مِثْلَ مَا لِیَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ۔

۳۱ وَ اِنَّ لِیَهُوْدَ بَنِیْ اَوْس مِثْلَ مَا لِیَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ۔

۳۲ وَ اِنَّ لِیَهُوْدَ بَنِیْ ثُعْلَبَة مِثْلَ مَا لِیَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ اَثِمَ فَاِنَّهٗ لَایُوْتِغُ اِلَّا نَفْسَهٗ وَ اَهْلَ بَیْتِہٖ۔

۳۳ وَاِنَّ جَفْنَةَ بَطْنٍ مِنْ ثَعْلَبَةَ کَاَنْفُسِهِمْ۔

۳٤ وَاِنَّ لِبَنِیْ الشُّطَیْبَةِ مِثْلَ مَا لِیَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ وَ اِنَّ الْبِرَّ دُوْنَ الْاِثْمِ۔

۳۵ وَ اِنَّ مَوَالِیَ ثُعْلَبَةٍ کَاَنْفُسِهِمْ۔

۳۶ وَاِنَّ بِطَانَةَ یَهُوْدٍ کَاَنْفُسِهِمْ۔

۳۷ اِنَّهٗ لَا یَخْرُجُ مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا بِاِذْنِ مُحَمَّدٍ عَلَیهِ السَّلَامِ۔

۳۸ وَاِنَّهٗ لَایَنْحَجِزُ عَلیٰ ثَاْرِ جُرْحٍ وَاِنَّهٗ مَنْ فَتَكَ فَبِنَفْسِهٖ وَ اَهْلِ بَیْتِهٖ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَ اِنَّ اللّٰه عَلی اَبَرِّ هٰذَا۔

۳۹ وَ اِنَّ عَلیٰ الْیَهُوْدِ نَفَقَتُهُمْ وَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ نَفَقَتُهُمْ۔

۴۰ وَ اِنَّ بَیْنَهُمُ النَّصْرَ عَلی مَنْ حَارَبَ اَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ وَ اِنَّ بَیْنَهُمُ النُّصْحَ وَالنَّصِیْحَةَ وَالْبِرَّ دُوْنَ الْاِثْمِ۔

۴۱ وَ اِنَّهٗ لَا یَاْثِمُ اِمْرُءٌ بِحَلِیْفِهٖ وَ اِنَّ النَّصْرَ لِلْمَظْلُوْمِ۔

۴۲ وَاِنَّ الْیَهُوْدَ یُنْفِقُوْنَ مَعَ الْمُؤمِنِیْنَ مَا دَامُوْا مُحَارِبِیْنَ۔

۴۳ وَاِنَّ یَثْرَبَ حَرَامٌ جَوْفُهَا لِاَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ۔

۴۴ وَاِنَّ الْجَارَ کَالنَّفْسِ غَیْرَ مُضَارٍّ وَ لَااٰثِمٍ۔

۴۵ وَ اِنَّهٗ لَاتُجَارُ حُرْمَةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اَهْلِهَا۔

۴۶ وَ اِنَّهٗ مَا کَانَ بَیْنَ اَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ مِنْ حَدَثٍ اَوْ اشْتِجَارٍ یُخَافُ فَسَادُهٗ فَاِنَّ مَرَدَّهٗ اِلَی اللّٰهِ وَ اِلی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ وَ اِنَّ اللّٰه عَلی اَتْقَی مَا فِیْ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ وَ اَبَرِّهٖ۔

۴۷ وَ اِنَّهٗ لَا تُجَارُ قُرَیْشٌ وَ لَا مَنْ نَصَرَهَا۔

۴۸ وَ اِنَّ بَیْنَهُمُ النَّصْرَ عَلی مَنْ دَهَمَ یَثْرِبَ۔

۴۹ وَ اِذَا دُعُوْا اِلی صُلْحٍ یُصَالِحُوْنَهٗ وَ یَلْبَسُوْنَهٗ فَاِنَّهُمْ یُصَالِحُوْنَهٗ وَ یَلْبَسُوْنَه وَ اَنَّهُمْ اِذَا دُعُوْا اِلی مِثْلِ ذَالِكَ فَاِنَّ لَهُمْ عَلی الْمُؤمِنِیْنَ اِلَّا مَنْ حَارَبَ فِی الدِّیْنِ۔

۵۰ وَ عَلی کُلِّ اِنْسَانٍ حِصَّتُهُمْ مِنْ جَانِبِهِمُ الَّذِیْ قِبَلَهُمْ۔

۵۱ وَاِنَّ یَهُوْدَ الْاَوْسَ مَوَالِیَهُمْ وَ اَنْفُسَهُمْ عَلی مِثْلِ مَا لِاَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ مَعَ الْبِرِّ الْمَحْضِ مِنْ اَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ وَ اِنَّ الْبِرَّ دُوْنَ الْاِثْمِ وَ لَا یَکْسِبُ کَاسِبٌ اِلَّا عَلیٰ نَفْسِهٖ وَ اِنَّ اللّٰه عَلی

اَصُدَقَ مَا فِیُ هٰذِهٖ الصَّحِیُفَةِ وَ اَبَرِّهٖ۔

۵۲ وَ اِنَّـهٗ لَا یَحُوُلُ هٰذَا الُکِتَابُ دُوُنَ ظَالِمٍ اَوُ اٰثِمٍ وَ اِنَّهٗ مَنُ خَرَجَ اٰمِنٌ وَ مَنُ قَعَدَ اٰمِنٌ بِالُمَدِیُنَةِ اِلَّا مَنُ ظَلَمَ وَ اَثِمَ۔

۵۳ وَ اِنَّ اللّٰهَ جَارٌ لِمَنُ بَرَّ وَ اتَّقٰی وَ مُحَمَّدٌ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیُهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ۔(۲)

اس معاہدہ کا ترجمہ وتجزیہ

دستور کے معاشرتی عناصر اوران کی حیثیت

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ دستاویز ہے، اللہ کے نبی محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف سے، آپ۔قریش اوراہل یثرب میں سے ایمانداروں اوراطاعت گذاروں نیز ان لوگوں کے درمیان جوان کے تابع ہوں، ان کے ساتھ شامل ہوجائیں اوران کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔

۱۔یہ(تمام گروہ) دوسرے لوگوں کے بالمقابل ایک ہی امت (سیاسی وحدت میں) متصور ہوں گے۔

مہاجرین

۲۔قریش کے مہاجر اسلام سے پہلے کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اوراپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اورانصاف کا ہو۔

مدینے کے عرب قبائل (انصار) کا ذکر

۳۔ اور بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہرگروہ اپنے اسیروں کوخود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اورانصاف کا ہو۔

۴۔ اور بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہرگروہ اپنے اسیروں کوخود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اورانصاف کا ہو۔

۵۔اور بنی ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہرگروہ اپنے اسیروں کوخود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اورانصاف کا ہو۔

۶۔اور بنی جشم اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۷۔اور بنی نجار اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۸۔بنی عمرو بن عوف اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۹۔اور بنی النبیت اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۰۔اور بنی اوس اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

مؤمنوں کا ایک دوسرے سے سیاسی، سماجی اور اقتصادی تعاون

۱۱۔اور ایماندار لوگ کسی مفلس اور زیر بار شخص کو مدد دیئے بغیر نہ چھوڑیں گے تا کہ اس کا فدیہ یا خونبہا بخوبی ادا ہو سکے۔

۱۲۔اور کوئی مؤمن کسی دوسرے مؤمن کی اجازت کے بغیر اس کے معاہداتی بھائی (آزاد کردہ غلام) سے معاہدہ نہ کریگا۔

۱۳۔متقی و پرہیزگار مؤمن ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو، یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلائے ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔اور کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہ کریگا اور نہ کسی ایماندار کے خلاف کسی کافر کی امداد کریگا۔

۱۵۔اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے، مسلمانوں میں سے ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا اور ایماندار دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

یہودیوں کے ساتھ امداد و مساوات

۵۔۱۴ جنگ اور صلح

۱۷۔ ایمانداروں کی صلح ایک ہی ہوگی، اللہ کی راہ میں ہو تو کوئی ایماندار کسی دوسرے ایماندار کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کریگا، جب تک یہ صلح سب کے لیے برابر نہ ہو۔

۱۸۔ وہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے اس کے افراد باری باری ایک دوسرے کی جان نشینی کریں گے۔

۱۹۔ اور اہل ایمان کفار سے اس خون کا بدلا لینے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہنچے۔

متقی مؤمن کی حیثیت

۲۰۔ اور اس میں شک نہیں کہ متقی و پرہیز گار مؤمن سب سے بہتر اور سب سے سیدھے راستے پر ثابت قدم رہیں گے۔

مشرکینِ قریشِ مکہ پناہ سے مستثنیٰ

۲۱۔ اور (مدینہ کا) کوئی مشرک، قریش کے کسی شخص کو مالی و جانی کسی طرح کی پناہ نہ دے گا اور نہ ایماندار کے مقابلہ پر اس (قریشی) کی حمایت و مدد کرے گا۔

مؤمن کا ناحق قتل اور اس کا بدلہ

۲۲۔ اور جو شخص کسی مؤمن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی مل جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خونبہا پر راضی ہو جائے اور تمام ایماندار اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا، ان کے لیے کوئی صورت جائز نہ ہوگی۔

فتنہ ور کو پناہ نہ دینا

۲۳۔ اور کسی مؤمن کے لیے، جو اس دستاویز کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہے، نیز خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہے، جائز نہیں کہ کسی فتنہ اٹھانے والے کی مدد کرے یا اسے پناہ دے، جو اسے پناہ دے گا

قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور اس سے کوئی فدیہ یا بدلا قبول نہ کیا جائے گا۔

اختلاف کا حل اللہ اور اس کا رسول کرے گا

۲۴۔اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے تو (اسے حل کر کنے کے لیے) اللہ تعالیٰ اور محمد علیہ السلام کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

مدینے کے یہود قبائل اور ان کے حقوق وفرائض

۲۵۔اور یہودی جب تک ایمانداروں کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے (تب تک جنگی) مصارف بھی برداشت کرتے رہیں گے۔

۲۶۔ اور بنی عوف کے یہودی ایمانداروں کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت میں) تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں اور مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں، خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت وفساد میں نہ ڈالیں گے۔

۲۷۔اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۸۔اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۹۔اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۰۔اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۱۔اور بنی اوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۲۔اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت وفساد میں نہ ڈالیں گے۔

۳۳۔اور جفنہ بھی بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں انہیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو حاصل ہیں۔

۳۴۔اور بنی شطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔

۳۵۔اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۶۔اور یہودیوں کے قبائل کی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

رسول اللہ کی حیثیت، مدینہ کا دفاع اور انسداد ظلم

۳۷۔ان میں سے کوئی بھی محمد صلی اللہ کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہ نکلے گا۔

۳۸۔اور زخم کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی جو شخص خونریزی کرے تو ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی، بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور خدا اس کے ساتھ ہے۔

۳۹۔ یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ ذمہ داری ہوں گے۔

۴۰۔ جو کوئی اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے تو وہ (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی پر عمل پیرا رہیں گے اور باہم مشورہ کریں گے وفا ان کا شیوہ ہوگا نہ کہ عہد شکنی۔

۴۱۔کوئی شخص اپنے حلیف کی بدعملی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کو بہر حال مدد دی جائے گی۔

۴۲۔ یہودی اس وقت تک اپنے مصارف برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک رہیں گے۔

۴۳۔ یثرب کا میدان اس نوشتے کو ماننے والوں کے نزدیک مقدس و محترم ہوگا۔

۴۴۔ پناہ گزین سے ویسا ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ اصل پناہ دہندہ سے ہو رہا ہو، نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ کسی جرم کا مرتکب ہوگا۔

۴۵۔کسی عورت کو اس کے کنبے والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی۔

۴۶۔اس دستور کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو، جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا، اس دستور میں جو کچھ ہے، اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفاداری پسند ہے۔

۴۷۔ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

۴۸۔اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو (مسلمانوں اور یہودیوں) پر ایک دوسرے کی مدد لازم ہوگی۔

مسلمانوں اور یہودیوں کا ایک دوسرے سے تعاون

۴۹۔اگر انہیں (یہودیوں کو) صلح کر لینے اور اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی جائے گی تو یہ اسے قبول کر

لیں گے اور شریک ہوں گے اسی طرح جب وہ (یہودی) کسی کو صلح کے لیے بلائیں گے تو مسلمانوں پر بھی اسے قبول کرنا لازم ہوگا بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

۵۰۔ ہر شخص کے حصے میں اپنی اپنی جانب کے علاقہ کی مدافعت آئے گی (یہ اس کی ذمہ داری ہوگی)۔

۵۱۔ اور اوس کے یہودیوں کو اصل ہوں یا موالی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور کے ماننے والوں کو حاصل ہوں گے۔ اور وفاداری عہد شکنی سے مانع ہوگی۔ ہر شخص کے کیئے دھرے کا نقصان اسی پر ہوگا اور اللہ اس شخص کی حمایت پر ہوگا جو اس دستور کے مشمولات پر زیادہ سچائی اور وفاداری سے قائم رہے۔

۵۲۔ یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم کے آڑے نہ آئے گا، جو شخص جنگ کے لیے نکلے، وہ بھی اور جو شخص گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا صرف وہ لوگ مستثنی ہوں گے جو ظلم یا جرم کا مرتکب ہوں گے۔

۵۳۔ خدا اس شخص کا حامی ہے جو اس عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیز گار رہو اور اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے حامی ہیں۔

اس معاہدہ میں مذکور قبائل

اس معاہدہ میں شامل ہیں:

☆ **مہاجرینِ قریش** کہ جو بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے۔

☆ **مدینے کے عرب قبائل:** جن کا ذکر شِق نمبر ۳ سے دس تک ہے وہ یہ ہیں: بنوعوف، بنوحارث، بنو ساعدہ، بنوجشم، بنونجار، بنوعمرو بن عوف، بنونبیت اور بنواوس۔ ان میں سے اکثر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے جن کو انصار کہا جاتا ہے۔

☆ **یہود کے قبائل:** جن کا ذکر شِق نمبر ۲۶ سے ۳۴ تک ہے وہ یہ ہیں بنوعوف کے یہودی، بنوحارث کے یہودی، بنوساعدہ کے یہودی، بنوجشم کے یہودی، بنونجار کے یہودی، بنوعمرو بن عوف کے یہودی، بنو نبیت کے یہودی، بنواوس کے یہودی، بنوثعلبہ کے یہودی، قبیلہ جفنہ کے یہوی جو بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں، بنی شطیبہ کے یہودی۔

مدینہ منورہ کی کیفیت اور حالات کا تقاضا

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینے منورہ میں تشریف فرما ہوئے تھے تو وہاں بہت سے

قبائل آباد تھے ان کے بارے میں پیر محمد کرم شاہ اس طرح لکھتے ہیں: ''یثرب میں مختلف قبائل آباد تھے ان کے مذہبی عقائد بھی متضاد اور مختلف تھے۔ اوس اور خزرج قبیلے، اہل مکہ طرح بت پرست تھے۔ یہاں یہودی بھی کافی تعداد میں آباد تھے ان میں ان تین قبیلوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی، بنونضیر، بنوقینقاع اور بنوقریضہ، ہر قبیلہ کی الگ بستی تھی۔ اور اپنے اپنے قلعے تھے۔ ان کا پیشہ تجارت اور سودخوری تھا۔ مالی لحاظ سے یہ بڑے خوش حال تھے۔ ان کے علاوہ یہاں عیسائی بھی تھے لیکن ان کی تعداد بہت قلیل تھی۔ (۳)

☆**مسلمان:** مہاجرین جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور انصار جو یثرب کے مسلمان تھے جنہوں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو مدینے آنے کی دعوت دی تھی اور انہوں نے مہاجرین کی امداد کی تھی۔

☆**مشرکین عرب:** اوس وخزرج جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اصطلاحاً انہیں مشرک ہی سمجھا جاتا تھا۔ جو بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ (۴)

☆**منافقین:** یہ لوگ بظاہر مسلمان سمجھے جاتے تھے، لیکن ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا تھا۔ وہ دل سے نہ مسلمانوں کے ساتھ تھے اور نہ مشرکین میں داخل تھے۔ ہر معاملے میں وقتی اور ذاتی مصلحتوں پر کار بند رہتے تھے اور مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں نقصان پہنچتا رہتا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ایک مسجد بنائی تھی جس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسمار کیا گیا تھا اور اس کا نام مسجد ضرار رکھا گیا تھا: ''والذین اتخذوا مسجدا ضرارا و کفرا و تفریقا بین المؤمنین و ارصادا لمن حارب اللّٰہ و رسولہ من قبل و لیحلفن ان اردنا الّا الحسنی و اللّٰہ یشھد انھم لکذبون'' (۵)

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی ضرر رسانی، کفر اور مؤمنین میں پھوٹ ڈالنے کے لیے نیز ان لوگوں کی کمین گاہ کے طور پر جو پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑ چکے ہیں اور وہ ضرور قسم کھائیں گے کہ ہمارے ارادے فقط نیک تھے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

☆**یہودی قبائل:** یہود کے بھی تین بڑے قبائل بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریضہ موجود تھے جن کی بھی بہت بڑی تعداد تھی یہ لوگ نہ صرف مذہبی اعتبار سے نسلاً بھی مہاجرین و انصار سے مختلف تھے۔ وہ معاشی لحاظ سے بھی خوشحال تھے اور اہل کتاب ہونے کی وجہ سے علمی طور پر بھی عرب قبائل (اوس وخزرج) پر فوقیت رکھتے تھے۔ یہاں کے معاشرے میں اس وقت تک اتحاد و یگانگت پیدا نہیں ہو سکتی تھی جب تک ان

یہودیوں کو بھی اپنے ساتھ نہ ملایا جائے۔ نیز اسلام کے اولین دشمن رؤسائے مکہ ابھی تک مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے تھے اور کسی وقت بھی وہ اس پر حملہ آور ہو سکتے تھے ان تمام اندرونی و بیرونی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک وسیع البنیاد منشور کی ضرورت تھی اس لیے رحمت عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک ایسی دستاویز تیار کی جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ یہاں کے یہودیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ اس دستاویز کے ذریعے مدینہ طیبہ کے جملہ باشندوں بلا امتیاز مذہب وقومیت، اندونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک اتحاد عمل میں لایا گیا(۶)

مولانا ابوالکلام آزاد میثاق مدینہ کی ضرورت کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ''جب تک ان تمام آبادیوں کو امن وامان کے مشترکہ مقاصد کے لیے متحد و متفق نہ کیا جاتا، پیش آنے والی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی کیا امید رکھی جا سکتی تھی، جن کا زیادہ سے زیادہ اندازہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہی کو تھا؛ اگر وہ مشکلات موجود نہ ہوتیں جو قریش کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور کم از کم چھ سال کے شب وروز صرف انہیں مشکلات کی آغوش میں پرورش پانے والے مصائب سے مقابلے کے لیے وقف ہو گئے۔ پھر بھی نسل و مذہب کے اعتبار سے جو مختلف آبادیاں پہلو بہ پہلو بیٹھیں تھیں، ان سے کیوں کر توقع رکھی جا سکتی تھی کہ وہ ایک وحدت کی حیثیت میں شہری بہبود کے لیے کوئی قدم اٹھا سکیں گی؟ یہ بھی ظاہر ہے کہ انہیں مشترکہ مقصد کی خاطر دوش بدوش عملی جدوجہد کرنے کی صرف ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک کو ان کے شہری، مذہبی اور ثقافتی حقوق کے تحفظ کا یقین کامل دیا جائے تو اس غرض سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو دستور العمل جلد از جلد مرتب کر دیا، وہ محض یہ ہی نہیں کہ چودہ سو سال پیشتر کی ایک نہایت اہم دستوری دستاویز ہے، بلکہ وضع وہیئت کے اعتبار سے بھی اس کی مثال ملنی مشکل ہے، حقیقت یہ کہ مختلف گروہوں کو اور جماعتوں کی طبیعتوں اور رجحانوں کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اشتراک کا ایسا جامع اور تمام پہلوؤں پر حاوی منصوبہ تیار کر لینا بجائے خود ایک غیر معمولی معجزہ تھا۔''(۷)

میثاق مدینہ کی اہمیت اور جائزہ

اس منشور سے پہلے عرب حد درجہ انفرادیت کا شکار تھے وہ نہ کسی قانون کے پابند تھے اور نہ کسی قوت حاکمہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے عادی تھے۔ ان میں سے اگر کوئی قتل ہو جاتا تو اس کا انتقام لینا

ان کی اپنی قوت بازو پر منحصر تھا۔ وہ اپنی حق تلفی کا مداوا اپنے زور سے کیا کرتے تھے۔ وہاں کوئی ایسی اجتماعی قوت نہیں تھی جو ان کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ضمانت دے۔ لیکن اس منشور میں ان ساری انفرادیتوں زندہ درگور کیا گیا۔ اور اس نئے معاشرہ میں ایک ایسی مرکزی قیادت قائم کردی، جس کی طرف وہ ہر موقع پر رجوع کر سکتے تھے جب ان کی جان و مال اور آبرو پر کوئی دست درازی کرتا۔ وہ اصول انفرادیت، جو اسلام سے قبل عرب معاشرت کا طرہ امتیاز تھا اسے اس نوشتہ کے ذریعے اجتماعیت سے بدل دیا گیا۔ یوں طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو گیا اور نسلی اور مذہبی لحاظ سے منتشر افراد ایک لڑی میں پرو دیئے گئے۔ تمام مرکز گریز قوتیں ایک کُل ہو گئیں اور تمام باشندوں کو یکساں حقوق میسر آ گئے۔(۸)

ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی شہری مملکت کی صورت میں منظّم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلموں اور کثیر الاجناس آبادی کو ایک لچک دار اور قابل عمل دستور کے ماتحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا۔ اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا جو بعد میں ایشیا، یورپ، افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی دقت کے صدر مقام بھی بن گیا۔(۹)

اس معاہدے کے بارے میں وُل ہازن(Wel Hausen) لکھتے ہیں:

"The first Arabic community with sovereign power was established by Muhammad (peace be upon him) in the city of Madina, not on the bases of blood which naturally tends to diversity, but upon that of religion binding on all."

''مکمل حاکمانہ اختیارات کے ساتھ پہلا عربی معاشرہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہاتھوں شہر مدینہ میں قائم ہوا لیکن خون کی بنیاد پر نہیں جو لامحالہ اختلافات کو جو جنم دیتا ہے بلکہ دین کی بنیاد پر، جس کا اطلاق ہر فرد پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔''(۱۰) اسی طرح پیر کرم شاہ، نکلسن Nicholoson کا منشور مدینہ پر تبصرہ اس طرح لکھتے ہیں:

"Ostensibly a caution and tactful reform, it was in reality a

revolution. Muhammad (peace be upon him) durst not only strike openly on independene of the tribes, but the destoryed it, in the effect, by shifting the centre of the power from the tribe to the community and although the community included jews, pagans as well as Muslims, he fully recognised, what his opponent facted to forese, that the Moslems were active, and must soon be the predominant, parteners in the newly founded state."

'' مبینہ طور پر ایک محتاط اور ماہرانہ اصلاح بلکہ درحقیقت ایک انقلاب تھا۔ حضرت محمد صلّی اعلیہ و آلہ وسلّم نے قبائل کی خودمختاری پر نہ صرف یہ کہ کھلم کھلا ضرب لگائی بلکہ اسے ختم کر دیا۔ اور انجام کار مرکز قوت قبیلہ سے معاشرہ کو منتقل کر دیا۔ معاشرہ میں اگرچہ مسلمان، یہودی اور مشرک سبھی شامل تھے اور وہ اسے صحیح طرح جانتے تھے اور جسے ان کے دشمن نہ دیکھ سکے مگر ان کی نگاہ دوررس نے دیکھ لیا تھا کہ نئی بننے والی ریاست میں مسلمان ہی نہ صرف فعال بلکہ اس کا غالب حصہ ہوں گے۔''(۱۱)

عہد کی پاسداری

پیر کرم شاہ الازہری اس میثاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''یہ دستاویز مدینہ میں بسنے والے مختلف عناصر کے درمیان ایک معاہدہ تھا جو تمام فریقوں کے درمیان اتفاق رائے سے طے پایا کہ یہ ایک آئین اور دستور تھا جسے ریاست مدینہ کے مقتدر اعلیٰ یعنی حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے نافذ فرمایا ااور مدینے کے تمام افراد پر اس کی پابندی لازم تھی اور جو فرد یا قبیلہ اس کے خلاف بغاوت کریگا وہ ریاست مدینہ کی شہریت کے حقوق سے محروم کر دیا جائے گا۔''(۱۲) عہد کی پاسداری کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے کہ: ۔"لادین لمن لا عهد له۔"(۱۳) اس شخص کا کوئی دین نہیں ہے جو وعدہ کی پابندی نہیں کرتا۔ اس وجہ سے جب یہودی قبیلہ بنوقینقاع نے غزوہ بدر کے موقعہ پر اور بعد میں جب اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عہد شکنی کے مرتکب ہوئے تو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہیں شہر مدینہ

سے جلاوطن کر دیا۔ان کی اس عہد شکنی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے کہ:۔"و اما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء ان اللّٰه لا یحب الخائنین۔" (۱۴) اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد اسی طرح مسترد کر دیں جیسے انہوں نے کیا ہے۔ بے شک اللہ خیانتکاروں کو دوست نہیں رکھتا۔اس دستور میں یہ بھی بیان ہے کہ مدینہ کا دفاع تمام گرہوں اور قبائل چاہے مسلمان ہوں یا یہودی سب پر یکساں طور پر واجب ہے اور یہ بھی ہے کہ کوئی فریق قریش مکہ کو نہ پناہ دے گا اور نہ ہی ان کی مدد کرے گا لیکن یہود مدینہ نے غزوہ بدر کے موقعہ پر مشرکین کی امداد کی تھی اور انہیں اسلحہ فراہم کیا تھا اور بعد میں انہوں نے ایک مسلمان عورت کی ہتک حرمت کی اور ایک مسلمان کو شہید کر دیا نتیجۃً وہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کے خلاف اعلان جہاد کیا اور کچھ دن محاصرہ کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور انہیں جلاوطن کیا گیا۔اسی طرح غزوہ احزاب کے بعد جب یہود بنونضیر نے عہد شکنی کی تو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہیں بھی مدینہ سے شہر بدر کر دیا۔جن کی عہد شکنی کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:۔"الذین عٰهدت منهم ثم ینقضون عهدهم فی کل مرة وهم لا یتقون۔" (۱۵) جن لوگوں سے آپؐ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنے اس عہد کو بار بار توڑتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔

اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے ولے کو شہر مدینہ سے بے دخل کر دیا جائے گا لہٰذا جن گروہوں نے بھی اس کو توڑا انہیں جلاوطن کر دیا گیا تا کہ شہر مدینہ سے فتنہ وفساد کو ختم کیا جائے اور اس میں امن وامان قائم ہو جائے اور تمام رہنے والے قبائل سکون واطمینان سے اپنی زندگی گزار سکیں۔

٭حضرت محمد صلّی اللہ علیہ آلہ وسلّم کی حیثیت

اس دستاویز کے پہلے جملے پر نظر ڈالی جائے تو یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے کہ یہ چند گروہوں میں طے پانے والا معاہدہ نہیں بلکہ قوت حاکمہ کی طرف سے جاری کردہ فرمان ہے جس کی پابندی ہر شخص پر طوعاً و کرہاً لازم ہے۔اس معاہدہ کا پہلا جملہ: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم :هٰذَا کِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِی صلّی ا علیه و آله وسلّم" ہے اس جملہ پر غور کرنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ وہ فرمان

ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ریاست مدینہ کے حاکم اعلیٰ نے جاری کیا ہے۔ نیز اس کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مدینہ کے تمام باشندوں اور تمام جماعتوں پر یکساں طور پر عائد ہوتا ہے۔ مہاجرین، انصار، مشرکین اور یہود وغیرہ سب اس کے پابند ہیں اور اپنی مرضی سے کوئی بھی اس سے اپنے آپ کو مستثنیٰ نہیں کرسکتا۔ لہٰذا تمام معاہداتی افراد پر مدینے کے ہر معاملے میں آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت ضروری ہے اور کوئی بھی فرد اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔

اس معاہدہ کی شک نمبر۲۴ اور ۴۶ کے مطابق تمام قسم کے اختلافات کے حل کے لیے اللہ تعالی اور آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف رجوع کیا جائے گا جس کا قرآن کریم نے بھی حکم دیا ہے کہ:۔'' فاِن تنازعتم فی شیء فرُدّوہ الی اللّٰہ والرّسولِ ان کنتم تؤمنون باللّٰہ و الیوم الآخر ذالك خیر و احسن تاویلا۔'' (۱۶) پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اس سلسلے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی بھلائی ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہوگا۔ بالفاظ دیگر فیصلہ کرنے کا اختیار صرف آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات گرامی کو ہے :۔"ما کان لمؤمن و لا مؤمنة اذا قضی اللّٰہ و رسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم و من یعص اللّٰہ و رسوله فقد ضلّ ضلالا مبینا۔ "(۱۷) کسی مؤمن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول جس معاملے کا فیصلہ کرچکے ہوں تو پھر ان کو اپنے اس معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا وہ صریح گمراہی میں جاپڑا۔

اس معاہدہ کی شِک نمبر ۳۷ کے مطابق کسی انسان کو یہ بھی اختیار نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کسی سے جنگ کرے جب تک آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان کو اجازت نہ دیں اور انہیں ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔'' ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھی کم عنه فانتھوا۔''(۱۸) جو (حکم) رسول تمہیں دیدے اسے لےلو اور جس سے تمہیں روکے اس رک جاؤ۔ اس آیت میں تمام امور کا اختیار آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہی کو دیدیا گیا ہے کہ آپؐ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور ان تمام امور سے جن سے آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم روکیں ان سے فوراً رک جانا چاہیے۔ پس اگر آپؐ جنگ کا حکم دیں یا کسی سے صلح

کریں تو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حکم سے انحراف کرے یا کوئی اعتراض کرے۔آخری شِق نمبر۵۳ میں بتایا گیا کہ جو شخص اس معاہدہ کے تمام شرائط کا پابند ہوگا اللہ اور اس کا رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس شخص کا حامی اور مددگار رہوگا۔پس جو شخص آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حکم پر عمل پیرا ہوگا اور اس دستور پر جو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پیش کیا ہے مکمل پابندی کے ساتھ اس کی پاسداری کرے گا تو اللہ اور اس کا رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی اس شخص کی ہر حال مدد کریں گے اور کبھی بھی اسے تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

دستور کی سیاسی، سماجی، اجتماعی اور اقتصادی حیثیت

اس دستاویز کے پہلے جملے پر غور و فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دستاویز میں مختلف قبائل، مذاہب اور گروہوں کے لوگ شامل ہیں جن میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنے والے قریش مؤمن (مہاجرین)، مدینہ کے مؤمن اور مسلمان (انصار) اور وہ تمام قبائل اور گروہ (مشرک، یہودی، منافق اور نصاریٰ وغیرہ) جو ان مؤمنین اور مسلمانوں (مہاجرین وانصار) کے ساتھ شامل ہوجائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیں۔یہ سب قبائل شامل ہیں اور شک نمبر ایک:اِنَّھُمْ اُمَّةٌ وَاحِدَةٌ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ۔سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام قبائل سیاسی وحدت کے اعتبار سے ایک ہی امت تصور کئے جائیں گے اگرچہ ان کے عقائد ونظریات مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔

اس منشور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ تو کسی شخص اور قبیلہ کے کسی حق کو غصب کیا گیا ہے اور نہ کسی پر مذہبی عقیدے میں کوئی جبر کیا گیا ہے۔نہ ان کے معاشرے میں رائج پذیر رسوم ورواج کو چھیڑا گیا ہے۔اور نہ ان کے نجی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت بے جا کی گئی ہے اور نہ ہی کسی پر معاشی بوجھ ڈالا گیا ہے بلکہ ہر ایک اپنا خرچہ خود برداشت کرے گا چاہے خونبہا ہو یا فدیہ ہو یا جنگی اخراجات ہوں۔جس کا ذکر شک نمبر۲ سے ۱۰ تک تمام مسلمان (مہاجرین اور انصار) کے ہر قبیلے کے جدا جدا حقوق اور فرائض بیان کئے گئے ہیں۔اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمام لوگ اپنے اپنے دستور کے مطابق خونبہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو اور کسی کا بوجھ دوسرے پر نہ ہو۔اسی طرح شک نمبر ۲۶ سے ۳۶ تک یہود کے ہر قبیلے کے جدا جدا حقوق

اور فرائض بیان کئے گئے ہیں۔ یہ سارے قبیلے اپنے عقائد ونظریات کے مطابق عمل کرنے میں آزاد ہوں گے لیکن مدینے کے شہری ہونے کے ناطے ان کی معاشرتی، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کے اصول ایک ہی ہوں گے۔ کیونکہ شق نمبر۲۶ میں بیان ہے کہ: بنی عوف کے یہودی مؤمنوں کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت میں) تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں اور مسلمان اپنے دین پر، خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت وفساد میں نہ ڈالیں گے۔ اسی طرح قرآن کریم نے بھی یہود کے ساتھ اتحاد کا حکم دیا ہے کہ: ''قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لانعبدوا الاّ اللّٰه و لا نشرك به شیئا و لایتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰه فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔'' (۱۹) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں پس اگر نہ مانیں تو ان سے کہہ دیجیے: گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں تمام اہل کتاب کو، چاہے وہ یہودی ہوں یا نصرانی ہوں، اتحاد و یکجہتی کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس اتحاد کی بنیاد عقیدہ توحید ہے، جس کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔

تمام قبائل اگرچہ ان کے مذاہب اور عقائد مختلف ہیں اس کے باوجود آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہیں ایک شہری ہونے کے ناطے متحد و متفق بنا دیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ تھا۔ جس کی گواہی قرآن کریم نے اس طرح دی ہے: ''الف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم و لکنّ اللّٰه الف بینھم انه عزیز حکیم۔'' (۲۰) اور اللہ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی ہے۔ آپ روئے زمین کی ساری دولت خرچ کرتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان (کے دلوں) کو جوڑ دیا۔ یقیناً اللہ بڑا غالب آنے والا حکمت والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں بتا دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے کسی امداد کی توقع اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جب یہ جماعت متفق اور متحد ہو۔ اور بقدر اتفاق و اتحاد ہی اس کی قوت میں وزن ہوتا ہے۔ باہمی اتحاد و یگانگت کے رشتے قوی ہیں تو پوری جماعت قوی ہے اور اگر یہ رشتے ڈھیلے ہیں تو پوری جماعت ڈھیلی اور کمزور ہے

۔اللہ تعالی کی طرف سے یہ ایک خصوصی انعام تھا جس کے ذریعے ان کے دلوں میں مکمل وحدت والفت پیدا کردی گئی۔اور مدینہ میں نئی قائم ہونے والی اسلامی ریاست کی بقاءاور دشمنوں پر غالب آنے کا حقیقی اور معنوی سبب تو اللہ تعالی کی نصرت اور امداد تھی جو اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے اور ظاہری سبب مسلمانوں کی آپس میں مکمل الفت ومحبت اور اتفاق واتحاد تھا۔اسی طرح آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک حدیث مبارکہ میں ہے:" ید اللہ علی الجماعة۔"(۲۱)اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کی امداد اسی صورت میں ممکن ہوتی ہے جب لوگوں کے درمیان اتحاد واتفاق ہو۔اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کا نہج البلاغہ میں ارشاد ہے:۔"فالزموہ والزَموا السّواد الاعظم فاِنَّ یدَاللّٰہِ علی الجماعة و ایّاکم و الفرقة فاِنَّ الشّاذمن النّاسِ للشّیطانِ کما انّ الشّاذ منَ الغنمِ للذئبِ۔" (۲۲) تم اسی راہ پر جمے رہو اور اسی بڑے گروہ (حق) کے ساتھ شامل ہو جاؤ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت (اتفاق واتحاد رکھنے والوں) پر ہے۔ اور تفرقہ وانتشار سے باز آجاؤ،اس لیے کہ جماعت سے الگ ہو جانے والا شیطان کے حصے میں چلا جاتا ہے،جس طرح ریوڑ سے جدا ہونے والی بھیڑ،بھیڑیئے کی گرفت میں آجاتی ہے۔

مدینہ منورہ کی حرمت اور دفاع

آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مدینہ منورہ کو مقدس اور محترم شہر قرار دیا ہے جس کا ذکر اس دستور کی شک نمبر ۴۳۔"وان یثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحیفة۔" میں ہوا ہے۔اسی طرح آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ:"۔ان ابراهیم حرم مکة و انی حرمت المدینه و دعوت لها فی مدها و صاعها و مثل ما دعا ابراهیم لمکة۔" (۲۳) ابرہیم علیہ اسلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینے کو حرم بناتا ہوں اور اس کے پیمانوں اور وزنوں کے برکت کی دعا کرتا ہوں جس طرح ابراہیمؑ نے مکہ کے لیے دعا فرمائی تھی۔یہ شہر عظمت والا ہے لہٰذا اس کی حفاظت اور دفاع کرنا فرض ہے، جس کا ذکر شِک نمبر ۴۸ و ان بینهم النصر علی من دهم یثرب۔ میں بیان ہوا ہے۔اسی طرح آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ:المدینة مهاجری و فیها مضجعی و منها مبعثی حقیق علیٰ امتی حفظ جیرانی ما اجتنبوا الکبائر و من حفظهم کنت له شهیدا و

شفیعا یوم القیامة و من لم یحفظهم سقی من طینة الخبال۔ (۲۴) مدینہ میری ہجرت گاہ ہےاور اسی میں میرا مزار ہوگا یہیں سے میں قیامت کے روز اٹھوں گا۔ میری امت پر لازم ہے کہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کریں جب تک وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہ ہوں۔ جو شخص ان کی حفاظت کرے گا قیامت کے دن میں اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا اور جو ان کی حفاظت نہیں کرے گا اس کو دوزخیوں کا پیپ اور خون پلایا جائے گا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس حدیث سے مدینہ اوراس کی آبادی کی حفاظت کا حکم دیا ہےاور ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کرنے والے کے لیے اپنی شفاعت کا بھی یقین دلایا ہے۔

مؤمنوں کا ایک دوسرے سے تعاون

تمام مؤمنوں پر یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ہر اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور برے کاموں سے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کریں اور ایک دوسرے کو گناہوں اور برے کاموں سے روکیں تا کہ یہ معاشرہ امن وسکون کا گہوارا بن جائے۔ اسی بات کا حکم قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے: "تعاونوا علی البر والتقوی و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان و اتقوا الله ان الله شدید العقاب۔" (۲۵) پرہیزگاری اور نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور دشمنی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

(۱) اقتصادی تعاون: ۔ اس دستور کی شق نمبر ۱۱ کے مطابق تمام مسلمان اور اہل ایمان مل کر مدینہ کے کسی مفلس اور نادار شخص کو مدد دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے تا کہ اس کا فدیہ یا خونبہا بخوبی ادا ہو سکے۔ پس اس مفلس اور نادار شخص کی ہر ممکن مالی امداد کی جائے گی تا کہ اس کے ذریعے وہ اپنی زندگی سکون واطمینان سے گذار سکے اگر وہ کہیں گرفتار ہو جائے تو اس کو فدیہ دے کر اس کو چھڑایا جائے۔ اس کے علاوہ بھی کسی مفلس اور کمزور انسان کی مدد صاحب استطاعت لوگوں پر فرض قرار دی گئی ہے۔

(۲) سیاسی وسماجی تعاون: (الف) فتنہ وفساد اور ظلم کی روک تھام: اس دستور کی شق نمبر ۱۳ میں بیان ہے کہ متقی و پرہیزگار مؤمن ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو، یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلائے ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا تمام لوگوں پر فرض ہے کہ وہ مل کر فتنہ وفساد

اور ظلم و جبر کو ختم کریں۔ جس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے:" الفتنة اشد من القتل۔"(۲۶) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ فتنہ ہی قتل و غارت کا سبب بنتا ہے اور اس کے ذریعے لوگوں کو راہ راست سے روکا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ محسن علی نجفی لکھتے ہیں:'' وہ فتنہ جو انسانوں سے صادر ہوتا ہے وہ قتل سے بھی برا ہے۔ اس آیہ شریفہ کی ترکیب سے معلوم ہوتا ہے کہ جس فتنہ کے مشرکین مکہ مرتکب ہوئے تھے اور جو قتل سے بھی برا عمل تھا، وہ صرف عقائد و نظریات کی وجہ سے پر امن لوگوں کو گھروں سے نکالنا اور ان کا امن اور سکون چھیننا تھا۔ لہٰذا اب ایسے لوگوں کے ساتھ قتال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جنہوں نے قتل سے بھی بدترین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ قتل سے دنیاوی زندگی کا خاتمہ ہوتا ہے، جب کہ فتنہ وفساد کے نتیجے میں دو جرم واقع ہوتے ہیں:

۱۔ قتل اور کشت و خون بکثرت واقع ہوتے ہیں۔

۲۔ فتنہ وفساد پھیلانے والے، دوسرے لوگوں کو حق کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں تک حق کا پیغام نہیں پہنچنے دیتے۔ وہ حق پرستوں کے مقابلے میں عقل و منطق کی جگہ طاقت اور تشدد سے کام لیتے ہیں۔ لہٰذا فتنہ دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی دونوں کے منافی جرائم کے ارتکاب کا موجب ہے۔(۲۷) کسی فتنہ ور انسان کو پناہ دینا اس فتنہ میں اس کے ساتھ شریک ہونے جیسا جرم ہے اور وہ خدا کی لعنت اور غضب کا مستحق ہے۔ اس لیے اس معاہدہ کی شک نمبر۲۳ کے مطابق کسی مؤمن کے لیے، جو اس دستاویز کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہے، نیز خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہے، جائز نہیں کہ کسی فتنہ اٹھانے والے کی مدد کرے یا اسے پناہ دے، جو اسے پناہ دے گا قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور اس سے کوئی فدیہ یا بدلا قبول نہ کیا جائے گا۔

(ب) مؤمن اور اس کے معاہدہ کا احترام کرنا: اس دستور کی شک نمبر۱۲ کے مطابق اگر کسی مؤمن کا دوسرے مؤمن سے تجارتی یا کوئی اور معاہدہ ہو تو اس سے کسی اور مؤمن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس سے کوئی اپنا معاہدہ کر لے جب تک کہ وہ معاہداتی مؤمن اسے اجازت دیدے۔ اسی طرح شک نمبر۱۴۔ میں بیان ہے کہ کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہ کریگا اور نہ کسی ایماندار کے خلاف کسی کافر کی امداد کریگا۔ کیونکہ مسلمان کی جان سب سے زیادہ محترم ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں بھی ارشاد ہے کہ :۔" لا

یقتل مؤمن بکافر و ودیة الکافر نصف ودیة المؤمن ۔ (۲۸) مؤمن کو کافر کی خاطر قتل نہیں کیا جائے گا (جب کوئی کافر کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو اس کے بدلے خونبہا اور دیت دی جائے گی)اور کافر کی دیت مؤمن کی دیت کے آدھے کے برابر ہے۔اسی طرح قرآن کریم میں بھی ارشاد ہے کہ:
"و ما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطا۔" (۲۹) کسی بھی مؤمن کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مؤمن کو (جان بوجھ کر) قتل کرے سوائے اس کے کہ اس سے خطا ہو جائے۔اور شک نمبر ۱۵ کے مطابق مسلمانوں میں سے ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا اور ایماندار دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بھی تمام مؤمنوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے کہ:" انما المؤمنون اخوة۔" (۳۰) بے شک مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اور اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:" المسلم اخو المسلم۔" (۳۱) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔لہٰذا اگر کوئی کسی مؤمن کو بلاوجہ قتل کرے اور اس کا قتل ثابت ہو جائے تو تمام مؤمنوں پر فرض ہے کہ وہ اس کا قصاص یا دیت لیں۔اس کا حکم اس دستور کی سک نمبر ۲۲ میں بیان ہے کہ جو شخص کسی مؤمن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی مل جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا،سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خونبہا پر راضی ہو جائے اور تمام ایماندار اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی صورت جائز نہ ہو۔اسی طرح قرآن کریم میں بھی اس کا حکم موجود ہے:

" یایها الذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان ذالك تخفیف من ربکم و رحمة فمن اعتدی بعد ذالك فله عذاب الیم۔" (۳۲)

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ہاں اگر قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے (قصاص کی) کچھ چھوٹ مل جائے تو اچھے پیرائے میں (دیت) کا مطالبہ کیا جائے اور (قاتل کو چاہیے کہ) وہ حسن وخوبی کے ساتھ اسے ادا کرے تمہارے رب کی طرف سے یہ ایک قسم کی تخفیف اور رحمة ہے۔پس جو اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے دردناک عذاب ہے۔

متقی اور پرہیز گار مؤمن

اس معاہدہ میں متقی اور پرہیز گار مؤمن کو تمام لوگوں پر ترجیح دی گئی ہے جس کا ذکر شک نمبر ۲۰ میں بیان کیا گیا ہے کہ متقی و پرہیز گار مؤمن سب سے بہتر اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :"یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرم کم عند اللّٰہ اتقیکم ان اللّٰہ علیم خبیر ۔" (۳۳) اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سے بارگاہ خدا میں وہ شخص معزز ہے جو سب سے زیادہ متقی او پرہیز گار ہے۔لہٰذا انسانیت کے ناطے تمام انسان آپس میں برابر ہے لیکن معاشرے میں اور بارگاہ خدا میں معزز وہ ہی شخص ہو گا جو تمام لوگوں میں سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہوگا، نیک وصالح اعمال بجالانے والا ہوگا اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتا ہوگا۔

نتیجہ بحث

اس بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دنیا میں رہنے والے تمام انسان چاہے مختلف المذاہب ہی کیوں نہ ہوں یا ایک دین کے ماننے والے ہوں یا بے دین ہوں، تمام لوگ ایک ہی مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ تمام لوگ بحیثیت انسان ایک ہیں انسانیت کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا وہ انسانیت کے ناطے ایک ہی مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں۔اسلام ہی وہ دین ہے جس نے تمام قسم کے لوگوں کے لیے اپنے حقوق متعین کئے ہیں، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں یا بے دین ہوں، اور ان تمام کے ساتھ عدل وانصاف کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیتا ہے:۔" یایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط و لا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الّا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ و اتّقوا اللّٰہ ان اللّٰہ خبیر بما تعملون۔" (۳۴) اے ایمان والو! اللہ کے لیے بھر پور قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب نہ بنے (ہر حال میں) عدل کرو! یہی تقوی کے زیادہ قریب ترین ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشترؓ کو جب مصر کا گورنر بنایا تو اس کو حکومت چلانے کا

ایک دستور دیا تھا، جس میں انہیں فرمایا کہ دیکھو! جن لوگوں کی طرف میں تمہیں گورنر بنا کر بھیج رہا ہوں:
"فانهم صنفان اما اخ لك فى الدين او نظير لك فى الخلق، يفرط منهم الزلل، و تعرض لهم العلل و يؤتى علىٰ ايديهم فى العمد والخطأ ، فاطهم من عفوك و صفحك مثل الذى تحب و ترضى ان يعطيك الله من عفوه و صفحه۔" (۳۵) ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو تمہارے دینی بھائی (مسلمان) ہیں اور دوسرے وہ جو تمہاری طرح کی مخلوق (غیر مسلم) ہیں۔ جن سے لغزشیں بھی ہو جاتی ہیں اور انہیں خطاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جان بوجھ کر یا دھوکہ سے ان سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا انہیں ویسے ہی معاف کر دینا، جس طرح تم چاہتے ہو کہ پروردگار تمہاری غلطیوں سے درگذر کرے۔ یہ اسلامی نظام کا امتیازی نکتہ ہے کہ اس میں مذہبی تعصب سے کام نہیں لیا جاتا ہے بلکہ ہر شخص کو برابر کے حقوق دیئے جاتے ہیں۔ مسلمان کا احترام اس کے اسلام کی بنا پر ہے اور غیر مسلم کا احترام ان کے انسان ہونے کے ناطے ہے۔ لہٰذا اسلام ایک ایسا عظیم دین ہے جو تمام انسانوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور تمام انسانوں کو ایک ہی مرکز پر جمع کرتا ہے۔ اہل کتاب کو، جو کہ اسلام کو نہیں مانتے اور آپ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے، انہیں اتحاد و یکجہتی کی دعوت دیتا ہے، جیسا کہ اس دستور میں موجود ہے اور قرآن کریم کی سورۃ آل عمران جس حوالہ نمبر ۱۹ میں ہو چکا ہے، ان کے ساتھ وحدت کی روح اور مرکز، توحید خداوندی ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح خدا کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی کی روح خود اسلام ہے تمام مسلمان اسلام کی بنا پر آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور وہ لوگ جو نہ مسلمان ہیں اور نہ اہل کتاب ہیں ان کے ساتھ اتحاد انسانیت کی بنا پر ہے کہ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ لہٰذا اسلام تمام انسانوں کو برابر سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو تمام انسانوں کے حقوق کا ان کی عزت اور مال و جان کی حفاظت کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں ارشاد ہے: "المسلم من سلم الناس من لسانه و يده۔" (۳۶) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام انسان محفوظ ہوں۔ لہٰذا وہ دین جس میں تمام انسانوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی تاکید ہو کہ جس میں اس شخص کو اپنے دین میں داخل ہونے ہی نہیں دیا جاتا جس سے دوسرے لوگ محفوظ نہ ہوں تو ایسا دین تمام لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے والا ہے۔ نتیجۃً اسلام اپنے ماننے والوں کو تمام انسانوں کے

ساتھ اتحاد و یکجہتی کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ اس دستور میں بیان ہے۔ جب تمام انسان ایک ہو جائیں گے تو یہ دنیا امن و امان اور سکون و اطمینان کا ایک گہوارا بن جائے گی جس میں شیر اور بکری ایک برتن میں پانی پیئیں گے۔ کیونکہ تمام انسانوں کو اپنے اپنے حقوق مل جائیں گے تو اختلاف کس چیز کا ہوگا، نہ لڑائی جھگڑا ہوگا اور نہ ہی خون و خرابہ ہوگا لہٰذا ہر طرف امن او امان ہوگا۔ کاش کہ اس دوٗر کے مسلمان اسلام کی تعلیمات سے آشنائی اور آگاہی حاصل کرتے اور اس کی گہرائیوں کی طرف متوجہ ہوتے تو آج دنیا میں قتل و غارت، فتنہ و فساد نہ ہوتا ہر انسان کو اس کے جائز حقوق دیئے جاتے اور معاشرہ سے بدامنی ختم ہو کر امن و امان قائم ہو جاتا۔

❖❖❖❖❖

حوالہ جات

(۱) عبد الملک بن ہشام الحمیر ی المعروف بابن ہشام (المتوفی ۲۱۸): ''سیرت النبیؐ'' (اردو مترجم مولانا عبدالجلیل صدیقی)، ج اول، ص ۵۵۴ ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور،)

(۲) سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۳۴۸ تا ۳۵۱، مکاتیب الرسول لعلی ابن حسین علی الاحمدی، ج ۳، ص ۶، البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج ۳، ص ۲۷۳ تا ۲۷۶، السنن الکبریٰ ج ۸، ص ۱۰۶، بحارالانوار ج ۱۹، ص ۱۶۸ تا ۱۷۱، فقہ السنۃ ج ۲، ص ۷۰۵ تا ۷۰۹، السیر ۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۲، ص ۳۲۱ تا ۳۲۳)

(۳) ضیاء النبی، ج ۳، ص ۱۶۷، ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز گنج بخش روڈ لاہور، طبع دوم، ربیع الاول ۱۴۱۵ھ)

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد ''رسول رحمت'' ص ۲۴۳، مطبع غلام علی پرنٹرز جامعہ اشرفیہ اچھرہ لاہور)

(۵) التوبہ: آیۃ ۱۰۷)

(۶) پیر محمد کرم شاہ: ''ضیاء النبی''، ج ۳، ص ۱۸۵)

(۷) مولانا ابوالکلام آزاد: ''رسول رحمت'' (مرتبہ: غلام رسول مہر) ص ۲۴۳، ناشر جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور)

(۸) ضیاء النبیؐ، ج ۳، ص ۱۹۹۔۲۰۰)

(۹)ڈاکٹر حمیداللہ:''عہدنبوی میں نظام حکمرانی''ص۹۹)

(۱۰) ضیاء النبیؐ ج ۳ ص ۲۰۰ بحوالہ The Historians History of the world (volume VIII p 291

(۱۱)ضیاءالنبی ج۳ص۲۰۱ بحوالہNicholoson)

(۱۲)ضیاءالنبیؐ ج۳ص۱۹۵)

(۱۳)علی الطبرسی(۷ھ) : ''مشکاۃ الانوار''،ص۹۶،الحاج میرزا حیسن النوری الطبرسی(التوفی ۱۳۲۰ھ):''مستدرک الوسائل ج۱۶،ص۹۷)

(۱۴)الانفال:۵۸) (۱۵)الانفال:۵۶)

(۱۶)النساء:۵۹) (۱۷)سورۃالاحزاب:۳۶)

(۱۸)الحشر:۷) (۱۹)آل عمران۶۴)

(۲۰)الانفال:۶۳)

(۲۱)الشیخ المفید (التوفی ۴۱۳):''الفصول المختارۃ''،ص ۲۳۷،طبع بیروت لبنان ، الطبع الثانیہ سنۃ ۱۹۹۳ع)

(۲۲)امام علیؑ :'' نہج البلاغۃ'' ، خطبہ نمبر۱۲۷،ص۲۴۶،(مترجم اردو السید ذیشان حیدر جوادی)عصمت پبلیکیشنز،سی۔۲۹ جے نارتھ ناظم آباد،کراچی پاکستان،طبع اول،سال آگست ۲۰۰۷ء)

(۲۳)امام محمد بن اسماعیل بخاری(التوفی ۲۵۶ھ) :''صحیح البخاری''،ج ۳،ص ۲۲،ناشر دار الفکر بیروت،سنۃ ۱۴۰۱ھ)

(۲۴)عبداللہ بن عدی:''الکامل''،ج۵،ص۱۰۹۔۱۱۰،اورسبل الہدی والرشاد،ج۲،ص۳۱۲)

(۲۵)(المائدہ:۲) (۲۶)البقرہ:۱۹۱)

(۲۷)شیخ محسن علی نجفی:''الکوثر فی تفسیر القرآن''،ج۱،ص۵۷۳تا۵۷۴)

(۲۸)الشیخ محمد باقر المجلسی (التوفی۱۱۱۱ھ)''بحارالانوار''،ج ۹۳،ص ۸۱، ناشر مؤسسۃ الوفاء بیروت لبنان،الطبع الثانیہ،سنۃ۱۹۹۳ع)

(۲۹)النساء:۹۳) (۳۰)الحجرات:۱۰)

(۳۱)محمد یعقوب کلینی (المتوفی ۳۲۹ھ):"اصول کافی"،ج۲،ص۱۶۷، ناشر دارالکتب اسلامیہ طہران، طبع چہارم،سال۱۳۶۵ھ ش)

(۳۲)البقرہ:۱۷۸) (۳۳)الحجرات:۱۳)

(۳۴)المائدہ:۸)

(۳۵)نہج البلاغہ(مترجم اردو السید ذیشان حیدر جوادی)،مکتوب نمبر۵۳ص۵۷۲)

(۳۶)الامام احمد بن حنبل(متوفی۲۴۱ھ) مسند احمد''، دار الصادر بیروت لبنان،الشریف الرضی (۴۰۶ھ)المجازات النبویۃ''، ناشر مکتبۃ بصیرتی۔قم ایران۔)

المراجع والمصادر

(۱)القرآن الکریم

(۲)احمد بن حسین بن علی البیہقی (الموتوفی:۴۵۸):''السنن الکبریٰ''، ناشر دارالفکر بیروت لبنان

(۳)امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر (المتوفی ۷۷۴):''البدایہ والنہایہ''، ناشر دارالاحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولی سنۃ ۱۹۸۸

(۴)امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر (المتوفی ۷۷۴):''السیرۃ النبویۃ''ناشر دارالمعرفۃ بیروت،طبع اول،سنۃ ۱۳۹۶ھ

(۵)الامام احمد بن حنبل(متوفی۲۴۱ھ)مسند احمد''،دارالصادر بیروت لبنان

(۶)امام علیؑ:''نہج البلاغہ''(مترجم اردو السید ذیشان حیدر جوادی)عصمت پبلیکیشنز،سی۔۲۹ جے نارتھ ناظم آباد،کراچی پاکستان،طبع اول،سال آگست ۲۰۰۷ء

(۷)امام محمد بن اسماعیل بخاری(المتوفی ۲۵۶ھ):''صحیح البخاری''، ناشر دارالفکر بیروت،سنۃ ۱۴۰۱ھ

(۸)امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (التوفی ۹۴۲):''سبل الہدی والرشاد''، ناشر دار المکتبۃ العلمیۃ بیروت لبنان،الطبعۃ الاولیٰ سنۃ ۱۹۹۳ع

(۹)پیر محمد کرم شاہ از ہری:''ضیاء النبی''، ناشر ضیاء القرآن پبلیکیز گنج بخش روڈ لاہور،طبع دوم،ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

(۱۰)الحاج میرزا حسین النوری الطبرسی (المتوفی ۱۳۲۰ھ):''مستدرک الوسائل''ناشر مؤسسۃ آل بیت

علیہم السلام لاحیاء التراث بیروت لبنان۔الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۸۸ع
(۱۱)ڈاکٹر حمید اللہ: ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی''
(۱۲)الشریف الرضی (۴۰۶ھ) المجازات النبویۃ''، ناشر مکتبۃ بصیرتی۔قم ایران۔
(۱۳)الشیخ سید سابق (المتوفی: معاصر)''فقہ السنۃ''، ناشر دار الکتاب العربی بیروت،
(۱۴)الشیخ علی ابن حسین علی الاحمدی: ''مکاتیب الرسول'' ناشر دار الحدیث المطبعۃ الاولی، سنۃ ۱۹۹۸ع
(۱۵)الشیخ محمد باقر المجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ)''بحار الانوار''، ناشر مؤسسۃ الوفاء بیروت لبنان، الطبع الثانیہ، سنۃ ۱۹۹۳ع
(۱۶)الشیخ المفید (المتوفی ۴۱۳ھ): ''الفصول المختارۃ''، طبع بیروت لبنان، الطبع الثانیہ سنۃ ۱۹۹۳ع
(۱۷) شیخ محسن علی نجفی: ''الکوثر فی تفسیر القرآن''، ناشر دار القرآن الکریم الجامعۃ الکوثر اسلام آباد پاکستان، سال ۲۰۰۴ع
(۱۸)عبد الملک بن ہشام الحمیری (المتوفی ۲۱۸): ''سیرت النبیؐ'' طبع مکتبۃ محمد علی صبیح واولادہ میدان الازہر بمصر سنۃ ۱۳۸۳ھ
(۱۹)عبد الملک بن ہشام الحمیری (المتوفی ۲۱۸): ''سیرت النبیؐ'' (اردو مترجم مولانا عبد الجلیل صدیقی)، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)
(۲۰)عبد اللہ بن عدی الجرجانی (المتوفی ۳۶۵ھ): ''الکامل''، ناشر دار الفکر ،الطبع الثالثۃ، سنۃ ۱۹۸۸ع
(۲۱)علی الطبرسی (المتوفی ۷ھ): ''مشکاۃ الانوار'' ناشر المکتبۃ الحیدریۃ فی النجف، الطبع الثانیۃ سنۃ ۱۹۶۵ع
(۲۲)محمد یعقوب کلینی (المتوفی ۳۲۹ھ): "اصول کافی" ناشر دار الکتب اسلامیہ طہران، طبع چہارم، سال ۱۳۶۵ھ
(۲۳)مولانا ابوالکلام آزاد ''رسول رحمت''، مطبع غلام علی پرنٹرز جامعہ اشرفیہ اچھرہ لاہور)

نوروز کی شرعی حیثیت

سید عقیل حیدر زیدی المشہدی
فاضل حوزہ علمیہ قم

لفظ عید مادہ عود سے پلٹنے اور بازگشت کے معنیٰ میں ہے، راغب اصفہانی کہتا ہے عود کسی چیز کی طرف، اس سے منصرف ہونے کے بعد پلٹنا ہے، چاہے یہ انصراف ذات کے لحاظ سے ہو یا قول اور ارادے کے لحاظ سے، اور عید سے مراد وہ چیز یا وہ حالت ہے جو انسان کی طرف ہر کچھ وقت کے بعد لوٹ کر آئے، اور کیونکہ روز عید کو شریعت مقدس اسلام میں سرور و خوشحالی کا دن قرار دیا گیا ہے، اس لئے ہر وہ دن جس میں انسان کی یہ حالت ہو اسے عید سے تعبیر کرتے ہیں۔(۱)

کیونکہ انسانیت کی فطرت معنویت اور روحانیت ہے، اسلیئے عید اپنے اسی معنیٰ کے لحاظ سے اللہ اور اسکی محبوب ہستیوں کی طرف پلٹنا ہے، یعنی عید وہ روز ہے جس دن ہم خداوند متعال کی یاد اور اسکے اولیاء خاص سے کئے ہوئے عہد و پیمان سے غافل نہ ہوں، اور ہر عید کے روز اس عہد و پیمان کی تجدید کریں، اور دن، جس روز ہم خدا اور اولیائے خدا کی یاد سے غافل ہوں (چاہے وہ عید ہی کا دن کیوں نہ ہو)، وہ دن حقیقت میں روز عزاء ہے، اور اسی مطلب کی تائید مولائے کائنات علی ابن ابیطالبؑ کا یہ قول کرتا ہے:

کلُّ یوم لا یُعصیٰ اللہُ فیه فهو عیدٌ (ہر وہ دن جس میں اللہ کی معصیت نہ کی جائے، عید کا دن ہے)۔(۲)

قیامت کا دوسرا نام معاد ہے، اور یہ معاد بھی اسی مادہ عود سے مشتق ہے، یعنی تمام انسانوں کی مکمل طور پر اللہ کی طرف بازگشت۔ اگر ہم عید کو اس کے حقیقی معنیٰ کے طور پر لیں تو ہر عید، معاد ہے، یعنی اللہ کی

طرف پلٹنا،لیکن یہ پلٹنا نیکیوں،خوبیوں اور باارزش چیزوں کی طرف بازگشت کرنا ہے،اور کتنا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کا ہر روز عید (معاد) ہو،اور وہ ہر روز اللہ کی طرف بازگشت کرے،اور ائمہ معصومینؑ سے تجدید عہد کرے۔اسی مطلب کی طرف علامہ سید بحرالعلوم اپنی کتاب سیر وسلوک میں اشارہ فرماتے ہیں:
انسان اسی دنیا میں اپنی معاد اور قیامت کو برپا کرسکتا ہے اور اپنی اصل (فطرت معنوی وروحانی) کی طرف لوٹ سکتا ہے۔

وہ ایام سعیدہ کہ جن کو اصطلاحاً عید سے موسوم کیا جاتا ہے،ان میں ایک عنوان،عیدنوروز کا بھی ہے کہ جو ظاہری طبیعت کی بہار وشکوفائی اور رنگ وبو کی دلپذیر تبدیلی کے علاوہ معنوی اور روحانی رنگ وبو کو بھی اپنے ہمراہ لئے ہوئے ہے۔

اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر عید کے روز، غسل کرنے، پاکیزہ لباس پہننے، نماز عید اور مختلف دعاوں وزیارات بالخصوص زیارت امام حسینؑ کے پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

جس طرح عیدنوروز، نئے (شمسی ہجری ایرانی) سال کی ابتداء اور خانہ ظاہری کو ہر قسم کی آلودگی، کثافت اور گرد وغبار سے پاک وصاف کرنا ہے تاکہ مہمانان گرامی کے تشریف لانے کو قابل ہوجائے، اسی طرح ضروری ہے کہ خانہ باطنی (دل) کو بھی ہر قسم کی نجاست اور پلیدگی اور غبار شرک سے مبراء ومنزہ کرے تاکہ یہ دل معرفت الٰہی کا سرچشمہ، محبت اہلبیتؑ کا خزینہ اور اعمال صالحہ کی آماجگاہ بن جائے، جس طرح ظاہری نسیم بہار سے لطف اندوز ہوتا ہے اسی طرح معنوی نسیم بہار سے بھی بہرہ مند ہو، اور طبیعت کی تروتازگی اور شکوفائی سے دل کی طراوت وشکوفائی کیلئے مدد لے، نیچر کی تبدیلی سے اپنا نیچر تبدیل کرے) اور فطرت کی تبدیلی سے اپنی فطرت کو اصل کی طرف بازگشت دے۔

عیدنوروز کی دین مبین اسلام میں کیا حقیقت ہے؟ اس بارے میں بحث کا آغاز کرنے سے پہلے ایک مسئلہ فقہی واصولی کو بیان کرنا ضروری ہے، وہ مسئلہ (تسامُحُ فی اَدِلَّۃِ السُّنَن) کے نام سے تقریبا تمام اصولی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے، مختصرا یہ کہ واجبات (اور محرّمات) کی نسبت ضروری ہے کہ دلائل سند اور متن دونوں کے لحاظ سے قابل اعتبار اور قابل اعتماد ہونے چاہئیں اور اگر کوئی روایات سند یا معنیٰ کے لحاظ سے ضعیف ہو، تو ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا، لیکن

مستحبات کی نسبت ادلہ میں چشم پوشی اور سہل انگاری سے کام لیا جاتا ہے، زیادہ تحقیق وجستجو ضروری نہیں ہے ، بلکہ ان مستحب اعمال کو جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں رجاء مطلوبیت کے ارادے سے بجالایا جاسکتا ہے، کیونکہ روایت میں ہے جس کسی نے ثواب کے ارادے سے کوئی عمل انجام دیا، اللہ تعالیٰ اسکو وہ ثواب عطا کردے گا۔(۳)

عیدنوروز امام جعفر صادقؑ کی نظر میں

عیدنوروز کے سلسلے میں سب سے اہم اور تفصیلی حدیث معلیٰ ابن خنیس کی ہے، جس کے مختلف حصوں سے فقہاء اور مجتہدین نے مختلف فقہی احکام کے لئے استنباط کیا ہے، اور تمام قدماء ومتاخرین نے اس حدیث کو قابل اعتبار جانا ہے۔

معلیٰ ابن خنیس نقل کرتا ہے کہ میں نوروز کے دن حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچا، حضرت نے فرمایا: کیا تم اس دن کو جانتے ہو؟ (کہ آج کیا دن ہے) معلیٰ کہتا ہے: میں نے عرض کیا! قربان جاؤں آج وہ دن ہے، جس کی اہل عجم تعظیم کرتے ہیں اور اس دن ایک دوسرے کوتحفہ وتحائف دیتے ہیں۔حضرتؑ نے فرمایا: میں خانہ کعبہ کی (جو مکہ معظّمہ میں ہے) کے حق کی قسم کھاتا ہوں کہ عجم کا اس دن کی یہ تعظیم کرنا نہیں ہے، مگر اس قدیمی امر کی خاطر جو کو میں تمھارے لئے تفصیل سے بیان کرتا ہوں تا کہ اس کو سمجھ جاؤ۔

معلیٰ کہتا ہے میں نے عرض کی! اے میرے سید وسردار! اے میرے مولیٰ! میرے لئے آپ کے وجود کی برکت سے اس بات کا جاننا زیادہ پسندیدہ ہے کہ میرے مردے زندہ ہوجائیں اور میرے دشمن مر جائیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اے معلیٰ! حقیقت یہ ہے کہ نوروز کا دن، وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے روز الست تمام ارواح سے اپنی وحدانیت کا عہد و پیمان لیا اور یہ کہ کسی کو اس کو شریک قرار نہ دیں گے، اور عبودیت وعبادت مین کسی کو اسکا شریک نہیں بنائیں گے، اور اسکے بھیجے ہوئے پیغمبروں اور مخلوق پر اللہ کی حجتوں، اور آئمہ معصومینؑ پر ایمان لائیں گے۔اور یہ (نوروز) وہ پہلا دن ہے، جب سورج طلوع ہوا، اور درختوں کو ثمر آور کرنے والی ہوائیں چلائی گئیں، اور زمین پر پھول اور کلیاں چٹکنے (کھلنے) لگیں، آج ہی

کے دن حضرت نوحؑ کی کشتی (طوفان نوحؑ کے بعد) کوہ جودی پر ٹھہری، اور یہی وہ دن تھا جب جبرائیلؑ پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوا اور انکو تبلیغ دین پر مامور کیا، یعنی آنحضرتؐ کی بعثت اسی دن ہوئی تھی، آج ہی کے دن حضرت ابراھیمؑ نے بتوں کو توڑا، اور یہی دن تھا جب پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب کو امیر المومنین علیؑ کی بیعت کا حکم دیا، اور فرمایا: علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر پکاریں، یعنی روز عید غدیر بھی اسی دن ہوا تھا، اور اسی دن خلافت ظاہری حضرت علیؑ کی طرف پلٹ آئی، اور عثمان کے قتل کئے جانے کے بعد لوگوں نے دوبارہ مولا علیؑ کی بیعت کی، اسی دن حضرت علیؑ نے خوارج کے ساتھ جنگ کی، اور ان پر غلبہ حاصل کر کے کامیاب ہوئے، اور اسی دن قائم آل محمدؐ امام زمانہؑ ظہور فرمائیں گے، اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کریں گے، اور کوئی نوروز کا دن ایسا نہیں جب ہم انتظار فرج نہ کرتے ہوں، اس دن کو عجم والوں نے حفظ کیا ہے اور اسکی حرمت کی رعایت کی ہے، اور تم نے اس کو ضائع کر دیا ہے۔ (۴)

اگرچہ اسلام میں تمام عبادات اور اعمال کا دارومدار قمری مہینوں کی تاریخوں اور دنوں کے اعتبار سے ہے، لیکن انہی دنوں کو کسی اور لحاظ سے بھی اہمیت کو حامل کہا جا سکتا ہے، جیسے نوروز کا دن، جو ہمیشہ بارہ برجوں میں سے برج حمل کو پہلا دن اور اسی طرح شمسی ہجری سال کے پہلے مہینہ فروردین کا بھی پہلا دن ہے، البتہ عیسوی سال کے لحاظ سے نوروز کبھی ۲۰ مارچ اور اکثر ۲۱ مارچ کو ہوتا ہے، یہ نوروز (یعنی نیا دن) نظام شمسی اور کائنات کے نظام کے لحاظ سے ایسا دن ہے جس میں تبدیلیاں رونما ہونے کا آغاز ہوتا ہے اور ہر شئی اس تبدیلی کے زیر اثر ہوتی ہے۔

روز نوروز کی دوسرے دنوں پر فضیلت

ہر وہ دن، جس کے بارے میں کوئی خاص حکم، مثلاً غسل کرنے، کوئی خاص نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے وغیرہ کے حوالے سے، بیان ہوا ہو، یقیناً وہ دن دوسرے دنوں پر فضیلت اور برتری رکھتا ہے، اور نوروز ایسے ہی مخصوص دنوں میں سے ہے، جس کے بارے میں کچھ مخصوص اعمال ذکر ہوئے ہیں اور اکثر فقہی، استدلالی اور دعاؤں کی کتابوں میں انکا بیان آیا ہے اور اکثر متقدمین ومتاخرین مراجع تقلید نے ان اعمال کو اعمال عید نوروز کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

اعمال عید نوروز حدیث کی روشنی میں

کسی عمل کے شرعی ہونے کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت شریفہ یا معصومینؑ کی کوئی روایت اس عمل کے شرعی ہونے پر دلالت کرے، نو روز کے سلسلے میں معلیٰ ابن خنیس کی امام جعفر صادقؑ سے تفصیلی روایت ہے جس کا متن یہ ہے:

عَن المَعلیٰ بن خنیس عن مولانا الصادق (علیه السلام) فی یوم النیروز، قال : اِذا کانَ یَومَ النیروز فاغْتَسِلْ و اَلْبِسْ اَنْظَفَ ثِیابَکَ وَ تَطیَّبْ باَطْیَبَ طیبکَ و تکون ذٰلک الیومَ صائماًفاذا صلَّیْتَ النوافلَ و الظهرَ و العصرَ فصَلِّ بعدَ ذٰلک اربعَ رکعاتٍ تَقْرَاء فی اوّلِ رکعةٍ فاتحةَ الکتاب و عشرَ مرّاتٍ اِنَّا اَنْزَلناه فی لیلةِ القَدرِ ، و فی الثانیةِ فاتحةَ الکتاب و عشرَ مرّاتٍ قُلْ یٰا اَیّهاالکافِرونَ، و فی الثالثةِ عشرَ مرّاتٍ التَّوحید ، و فی الرابعةِ عشرَ مرّاتٍ مُعَوَّذَتَیْن و تَسْجُد بعد فراغِکَ من الرکعاتِ سجدةَ الشُّکر و تَدْعُوا فیها یُغْفَرُ لَکَ ذُنُوبُ خَمْسینَ سنةً.

(معلیٰ ابن خنیس، امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتا ہے کہ امامؑ نے نوروز کے دن کے بارے میں فرمایا: جب نوروز کا دن ہو، پس تم غسل کرو اور اپنے پاکیزہ لباس کو زیب تن کرو، اور اپنے آپ کو بہترین خوشبو سے معطّر کرو، اور اس دن روزہ بھی رکھو، اور جب نماز نافلہ و فریضہ ظہر وعصر سے فارغ ہو جاؤ، تو اس کے بعد چار رکعت نماز (عید نوروز کی دو دو رکعت کر کے) پڑھو، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ انّا انزلناہ (قدر)، اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ قل یا ایھا الکافرون (سورۂ کافرون) پڑھو، اور تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورۂ توحید، اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ معوّذتین یعنی سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھو، اور دونوں نمازیں پڑھنے کے بعد سجدۂ شکر بجالاؤ، اور سجدے میں اللہ رب العزت سے جو چاہو مانگو، اس عمل سے تمھارے پچاس سال کے گناہ بخش دیئے جائیں گے)۔(۵)

بعض نے سجدۂ شکر میں مخصوص دعا بھی ذکر فرمائی ہے، جو یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ علیٰ مُحمَّدٍ وَ آل مُحَمّدٍ الاَوْصِیاءِ المَرضِیینَ و صَلِّ علیٰ جَمیعِ اَنبیائِکَ

و رُسُلِکَ بافْضَلِ صَلٰواتِکَ و بارِک علیهم بافْضَلِ بر کاتِکَ و صَلِّ علیٰ اَرْواحِهم و اَجْسادِهم . اَللّٰهُمّ بارِک علیٰ مُحمَّدٍ و آلِ مُحمَّدٍ و بارک لنا فی یومِنا هذٰا الّذی فَضَّلْتَه و کَرَّمْتَه و شَرَّفْتَه و عَظَّمْتَ خَطْرَه. اَللّٰهُمّ بارِک لِی فِیما اَنْعَمْتَ به علیَّ حَتّیٰ لا اَشْکُرَ اَحداً غَیْرَکَ وَسِّعْ علیَّ رِزْقِی یا ذَالجلالِ و الاکرامِ. اَللّٰهُمّ ما غابَ عَنّی مِنْ شَئْیٍ فلا تُغَیِّرْ عَنِّی عَوْنَکَ و حِفْظَکَ و ما فَقَدْتُ مِنْ شَئْیٍ فلا تَفْقِدْنِی عَوْنَکَ علیه“. پھر (یا ذاالجلالِ و الاکرام)کی زیادہ تکرار کرو۔

روایت میں ہے کہ تحویل سال کی گھڑی ساٹھ مرتبہ یہ دعا پڑھو: یـا مُـقَـلِّـبَ الـقُـلُـوب و الابْـصـارِ ، یا مُدَبِّرَ اللَّیْلِ و النَّهارِ ، یا مُحَوِّلَ الحَوْلِ و الاَحْوالِ ، حَوِّلْ حالَنا اِلیٰ اَحْسَنِ الحالِ.

اور بعض روایات میں تحویل ساعت اس دعا کے پڑھنے کا کہا گیا ہے:اَلـلّٰهُـمّ هٰـذِه سَـنَـةٌ جَـدِیـدَةٌ و اَنْـتَ مَـلِکٌ قَدیمٌ اَسْئَلُکَ خَیْرَها و خَیْرَما فیها ، و اَعُوذُ بِکَ مِنْ شَرِّها و شَرِّما فیها ، و اَسْئَلُکَ مَؤُنَتَها و شُغْلَها یا ذاالجلالِ و الاکرامِ۔(۲)

فقہاءاور مجتہدین کا اس حدیث کے مختلف حصوں سے استدلال

اس حدیث شریف کے مختلف حصوں سے تقریبا تمام متقدمین ومتاخرین فقہاء نے مختلف ابواب فقہ میں استدلال کیا ہے،اور غسل عیدنوروز، روزہ عیدنوروز اورنماز عیدنوروز کواپنی گرانقدر علمی کتابوں میں بیان کیا ہے،اور تمام فقہاءومجتہدین کی نظر میں اس حدیث شریف کی حیثیت مسلم رہی ہے،اور انھوں نے استدلال کے طور پر اسی حدیث کونقل کیا ہے۔

غسل عیدنوروز پرفقہاء کا استدلال

اکثر فقہی کتابوں میں مستحب غسلوں میں سے ایک غسل،عیدنوروز کا غسل بیان ہوا ہے،مرحوم محمد بن الحسن الحرّ العاملیؒ نے اپنی گرانقدر کتاب وسائل الشیعہ میں ایک باب باعنوان (باب استحباب غسل یوم النیر وز) قرار دیا ہےاوراس باب میں وہی امام جعفرصادقؑ کی روایت معلیٰ ابن خنیس سے نقل کی ہے، اوراس روایت کے اس جملے سے استحباب غسل کو بیان کیا ہے: اِذا کـانَ یومَ النیروز فاغْتَسِلْ و اَلْبِسْ

اَنْظَفَ ثِیابَکَ .(۷)

علامہ حسن ابن یوسف حلیؒ اپنی کتاب القواعد میں فرماتے ہیں: **یُسْتَحَبُّ الغُسْلُ لِلْجُمُعَةِ مِنْ طُلُوعِ الفَجْرِ اِلیٰ الزَّوالِ و الغَدیرِ و المُباهَلةِ و عَرَفَةَ و نیروزِالفُرْس و غُسْلُ الاِحْرام** (روز جمعہ کا غسل طلوع فجر سے لیکر زوال آفتاب تک کرنا مستحب ہے، اور غسل روز عید غدیر، عید مباہلہ، روز عرفہ، اہل فارس کی عید نوروز اور احرام کا غسل مستحب ہے)۔(۸)

شہید اولؒ کی تینوں فقہی کتابوں (دروس، ذکریٰ اور بیان) میں نوروز کے دن کا غسل مستحب غسلوں کے ذیل میں بیان ہوا ہے، بطور نمونہ ہم کتاب دروس کی عبارت پیش کرتے ہیں: **یُسْتَحَبُّ الغُسْلُ ... یومَ المَبْعَث و المَوْلِد و الغدیر و التَرْوِیه و عَرَفَةَ و الدَّحْوِ و المُباهَلة و النیروز لِخَبَر المَعلیٰ**

(غسل کرنا مستحب ہے ۔۔۔روز بعثت پیغمبرؐ [۲۷ رجب المرجب]، روز ولادت پیغمبرؐ [۱۷ ربیع الاول]، روز عید غدیر، روز ترویہ [۸ ذالحجہ]، روز عرفہ، روز دحوالارض [۲۵ ذیقعدہ، زمین کے بچھائے جانے کا دن]، روز مباہلہ اور عید نوروز کے دن کا، معلیٰ ابن خنیس کی روایت کی وجہ سے۔(۹)

نیز مرحوم شہید ثانیؒ نے شرح لمعہ میں بھی روز عید نوروز کے غسل کو مستحب غسلوں میں شمار کیا ہے۔(۱۰)

مرحوم سید محمد کاظم طباطبائیؒ صاحب عروۃ الوثقیٰ اور مرحوم شیخ بھاء الدین العاملی صاحب جامع عباسی مستحب غسلوں میں سے گیارہواں غسل روز عید نوروز کا بیان فرماتے ہیں۔(۱۱)

تمام مراجع عظام معاصر نے بھی اپنی فقہی و استدلالی کتابوں اور توضیح المسائل میں غسل عید نوروز کو مستحب غسلوں کے ذیل میں بیان کیا ہے، نہایت یہ کہ بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ بدون قصدِ ورود اور رجائے مطلوبیت کی نیت سے بجالایا جائے۔(۱۲)

حضرت آیت اللہ شیخ حسین وحید خراسانی اپنے رسالہ عملیہ توضیح المسائل کے مسئلہ نمبر ۶۵۰ میں مستحب غسلوں کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ غسل شرع مقدس اسلام میں وارد ہوئے ہیں، اور پھر مسئلہ نمبر ۶۵۱ میں ان مستحب غسلوں کو بیان فرماتے ہیں جو فقہاء نے اپنی فقہی کتابوں میں اغسال مستحبہ کے عنوان سے بیان فرمائے ہیں، اور حضرت آیت اللہ شیخ حسین وحید خراسانی غسل عید نوروز کو بھی اسی دوسری

نوع کے غسلوں سے شمار کرتے ہیں، اور آخر میں فرماتے ہیں ان دوسری نوع کے غسلوں میں احتیاط یہ ہے کہ رجائے مطلوبیت کے قصد سے بجالائے جائیں۔(۱۳)

رجائے مطلوبیت سے کیا مراد ہے؟

رجاء یعنی امید۔ بعض موارد میں جو یہ فرمایا جاتا ہے کہ فلاں عمل کو رجاءً یا رجائے مطلوبیت کے طور پر انجام دیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مستحبات تو دلیل معتبر شرعی سے ثابت ہیں اور انکے انجام دینے کے وقت قصد ورود (یعنی شریعت مقدس اسلام میں وارد ہونے کا ارادہ کرنا) صحیح ہے، اور ان اعمال کو اس عنوان سے کہ شارع نے انکا حکم فرمایا ہے انجام دیا جاسکتا ہے، لیکن بعض مستحبات ایسے ہیں جنکے مستحب شرعی ہونے پر کوئی دلیل معتبر نہیں ہے، البتہ دلیل ضعیف اور غیر معتبر روایت موجود ہے اسلئے ان اعمال کو مستحب شرعی اور شارع کے حکم کی بجا آوری کے طور پر انجام دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ بدعت اور حرام کام ہے، کیونکہ حجت و دلیل معتبر شرعی نہیں ہے، اور ایسے عمل کی شارع کی طرف نسبت دینا جھوٹ ہے، لیکن ان موارد میں اسی ضعیف روایت پر اعتماد کرتے ہوئے، اس امید کے ساتھ کہ شاید یہی روایت ضعیف شارع سے صادر ہوئی ہو اور مطلوب شرعی ہو، عمل کر سکتے ہیں، لہذا اس صورت میں اطاعت و بندگی کا ثواب دے دیا جائے گا۔(۱۴)

لیکن یہاں صاحب جواہر مرحوم شیخ محمد حسن النجفیؒ کا استدلال قابل ملاحظہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ و قَد بَقِيَ زيادةٌ علىٰ ما ذَكَرتُه و ذَكَر المُصَنِّفُ بعضَ الاَغْسالِ الزَّمانيّةِ ... ۔ (جو غسل میں نے اور مصنف نے بیان کئے ہیں ان کے علاوہ کچھ اور غسل بھی باقی ہیں جو معین زمانے کے ساتھ مستحب ہیں جیسے: روز دحوالارض کا غسل، اہل فارس کے نوروز کے دن کا غسل، اور نو ربیع الاول (عید زہراؑ) کا غسل۔ لیکن جو عید نوروز کے دن کا غسل ہے اسکا استحباب علمائے متاخرین کے مشہور قول کی بناء پر ہے، بلکہ میں نے اس بارے میں کسی کو استحباب غسل کو مخالف بھی نہیں پایا ہے، کیونکہ اس بارے میں معلّیٰ ابن خنیس کی امام جعفر صادقؑ سے مروی روایت مصباح شیخ طوسیؒ میں موجود ہے، جس کا مختصر یہ ہے کہ جب نوروز کا دن ہو تو تم غسل کرو۔(۱۵)

اس کے بعد مرحوم صاحب جواہر معلّیٰ ابن خنیس کی مذکورہ روایت کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں

اورآخر میں فرماتے ہیں:وَلاوَجْـهَ لِلْـمُـنـاقَشَةِ بَعـدَ ذٰلکَ فِی السَّند وغَیْرِہ کما لا وَجْهَ لِلْمُعارَضَةِ بما عَن المَناقِب (مشہور فقہاء کے اس روایت معلّیٰ ابن خنیس کے مطابق عمل کرنے کے بعد، اس روایت کی سند یا متن میں مناقشہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، جیسا کہ اس روایت معلّیٰ اور وہ روایت جو امام موسیٰ کاظمؑ سے کتاب مناقب میں نقل ہوئی ہے، دونوں میں کسی تعارض کی بھی کوئی صورت نہیں ہے)۔ بہتر یہ ہے کہ ہم یہاں پر وہ روایت بھی پیش کریں اور اسکا معارض نہ ہونا بھی بیان کریں۔

روایت امام موسیٰ بن جعفر الکاظم (علیہ السلام)

عید نوروز کے دن منصور دوانیقی نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو دعوت دی کہ حضرتؑ تشریف رکھیں اور لوگ آکر آپکی زیارت کریں اور آپکی خدمت میں تحائف پیش کریں۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: میں نے اپنے جدّ رسول خداؐ کی اخبار واحادیث کو جانچ پڑتال کیا ہے اور مجھے اس عید کے بارے میں کوئی خبر نظر نہیں آئی، اس عید کا عجم (اہل فارس) احترام کرتے ہیں، لیکن اسلام نے اس کو ختم کر دیا ہے، اور محال ہے جس چیز کو اسلام نے ختم کر دیا ہو میں اس کی دوبارہ تجدید کروں۔ لیکن منصور نے کہا کہ یہ ایک سیاسی معاملہ ہے اور میں آپ سے تقاضا کرتا ہوں کہ آپ میری اس دعوت کو ضرور قبول کریں اور آج تشریف رکھیں تا کہ لوگ آپکی زیارت کریں۔ حضرتؑ نے بھی قبول کرلیا اور اس دن لوگوں سے ملاقات کی اور زیارت کروائی۔

مذکورہ روایت کو تقیّہ پر حمل کیا گیا ہے

کیونکہ مذکورہ روایت مطلب کو اداء کرنے میں قاصر ہے اور صراحت نہیں رکھتی، اسلئے کئی فقہاء نے اس روایت کو تقیّہ پر حمل کیا ہے، جیسا کہ خود روایت کے ذیل سے بھی ظاہر ہے کہ امامؑ نے مکمل انکار کے باوجود منصور کی دعوت کو قبول فرمایا، اور اس کے علاوہ تقریباً تمام ہی فقہاء و مجتہدین نے روایت معلّیٰ ابن خنیس کے مطابق عمل کیا ہے، اسلئے صاحب جواہر فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تعارض کی گنجائش ہی نہیں ہے، کیونکہ روایت امام موسیٰ کاظمؑ میں تقیّہ کا احتمال ہے، اور اس احتمال کے ہوتے ہوئے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، اور اجمالاً مرحوم صاحب جواہر بھی معلّیٰ کی روایت کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں،

اسلئے استحباب غسل کا عیدنوروز کے دن فتویٰ دیتے ہیں۔

فقہاء کی نظر میں عیدنوروز کا روزہ

عیدنوروز کے غسل کی طرح ،عیدنوروز کے روزے کو بھی تمام فقہائے متقدمین ومتاخرین نے بیان کیا ہے اور قطعاان عظیم شخصیات کا (جنھوں نے اپنی عمر شریف کا بیشتر حصہ آیات وروایات اسلامی کو جانچ پڑتال اور چھان بین میں صرف کیا ہے اور صدیوں سے انکی علمی وتحقیقی کتابیں حوزہ ہای علمیہ اور مدارس دینیہ میں پڑھائی جاتی ہیں) کسی عمل کے مستحب ہونے کے بارے میں فتویٰ دینا، دلیل متقن ومستندو محکم کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور فقہاء ومجتہدین کے فتوے عیدنوروز کے اسلام میں معتبر ومحترم ہونے کی بہترین دلیل بھی ہیں۔

صاحب جواہر مرحوم شیخ محمد حسن النجفیؒ فرماتے ہیں: **كَمَا يُسْتَفَادُ مِنَ النُّصُوصِ ثُبُوتُ التَأَكُّدِفِي غَيْرِ ذٰلِك (اَىْ تَأَكُّدِ الصَّوم) كالنيروز و اوَّل يَومِ مِن المُحَرَّم** .. ۔ جیسا کہ روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ مذکورہ موارد کے علاوہ بھی چندموردمیں روزے کے استحباب کی تاکید کی گئی ہے، جیسے: نوروز کے دن کا روزہ اورمحرم الحرام کی پہلی تاریخ کا روزہ وغیرہ۔۔۔(۱۶)

صاحب مستندمرحوم ملاّ احمدنراقی فرماتے ہیں: **أَمّا الـمَنْدُوبُ مِنه أَقْسام : منها اوَّلُ ذى الحِجَّة ، منها صَوم يَوم النيروز لِلمَرْوِىِّ فى مِصْباحِ المُتَهَجِّد** (روزے کی چاراقسام [واجب، مستحب، مکروہ اور حرام] میں سے جومستحب روزے ہیں، چندقسم کے ہیں، ان میں پہلی ذالحجّہ کا روزہ ہے اور عیدنوروز کے دن کا روزہ ہے جیسا کہ مصباح المتھجّد شیخ طوسیؒ میں روایت نقل ہوئی ہے۔ (۱۷)

صاحب حدائق مرحوم شیخ یوسف بحرانی بھی اسی انداز سے بیان فرماتے ہیں کہ مستحب روزوں میں سے ایک عیدنوروز کے دن کا روزہ ہے کیونکہ اس روزے کو شیخ طوسیؒ نے مصباح المتھجّد میں معلّی ابن خنیس کے سلسلے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔(۱۸)

نیز تمام فقہاء ومجتہدین معاصر نے بھی عیدنوروز کے روزے کو مستحب روزوں میں بیان کیا ہے، اوراس دن پراپنی عبارات میں عید کا اطلاق بھی کیا ہے۔(۱۹)

فقہاء کی نظر میں عید نوروز کی مخصوص نماز

معلیٰ ابن خنیس کی روایت میں امام جعفر صادقؑ نے نوروز کے دن کی جس مخصوص نماز کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا، وہ نماز ادعیہ کی کتابوں جیسے: شیخ عباس قمی کی مفاتیح الجنان اور علامہ محمد باقر مجلسیؒ کی زاد المعاد میں (۲۰) اور احادیث کی کتابوں جیسے: شیخ محمد ابن الحسن الحرّ العاملی وسائل الشیعۃ میں (۲۱) اور نیز فقہی و استدلالی کتابوں جیسے: شیخ ابوجعفر محمد ابن الحسن الطوسیؒ کی مصباح المتھجّد، محمد ابن ادریس الحلّی کی کتاب السرائر، محمد ابن فہد الاسدی الحلّی کی کتاب المھذّب، اور شیخ بہاء الدین العاملی کی جامع عباسی میں بیان ہوئی ہے۔ (۲۲)

فقہائے متقدمین نے نماز عید نوروز کی کیفیت کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور اس نماز کو ظہر وعصر کی فریضہ و نافلہ نمازوں کے بعد اول وقت میں پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ البتہ فقہائے متاخر نے اس نماز عید نوروز کو بیان نہیں فرمایا، کیونکہ مستحب نمازوں کی تعداد بہت زیادہ اور انکی کیفیت بھی مختلف ہوتی ہے، اور اکثر مستحب نمازوں کو انکی مخصوص کیفیت کے ساتھ بجالانا ہوتا ہے، اسلئے ان سب مستحب نمازوں کو انکی مخصوص کیفیت کے ساتھ توضیح المسائل یا کسی اور رسالہ عملیہ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ لیکن فقہائے متاخر کے اس حدیث شریف سے غسل مستحی اور روزہ مستحی میں استنباط سے اس حدیث کا بقیہ حصّہ بھی تائید ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک ہی حدیث میں یہ مختلف عید نوروز کے اعمال بیان ہوئے ہیں، لہذا پوری حدیث فقہاء کی نظر میں رہی ہے، لیکن انھوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے مستحب نمازوں کو بیان نہیں کیا۔

عید نوروز کے دن پاکیزہ لباس پہننا اور عطر کو استعمال مستحب ہے

ایک اور مستحب عمل جسے اسی حدیث معلّی ابن خنیس کی روایت میں بیان کیا گیا ہے، عید نوروز کے دن اچھا اور پاکیزہ لباس زیب تن کرنا اور بہترین خوشبو کا استعمال کرنا ہے، اگر چہ یہ مسلّم امر ہے کہ صاف ستھرا اور پاکیزہ لباس پہننا اور خوشبو لگانا دین اسلام کے ایسے آداب اور تعلیمات سے ہے جو ہمیشہ اور ہر جگہ کیلئے ہیں اور ایسے آداب، عید کے دن کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتے، لیکن امام صادقؑ کا نوروز کے موقع پر ان چیزوں کو سفارش کرنا اور بزرگ فقہاء کا اس کے مطابق فتویٰ دینا، جیسے شیخ مرتضیٰ انصاریؒ کہ جو آخری صدی کے بزرگترین فقیہ شمار ہوتے ہیں، یقیناً اس بات کو دلیل ہے کہ عید نوروز کو دیگر ایام پر

خصوصی فضیلت وامتیاز حاصل ہے۔

شیخ مرتضٰی انصاری ؒ اپنی کتاب الطہارۃ میں فرماتے ہیں: **فاذا کانَ یومُ النیروز فاغْتَسِلْ و اَلْبِسْ اَنْظَفَ ثِیابَکَ و تَطَیَّب باَطْیَبَ طیبَکَ** (پس جب عیدنوروز کا دن آئے تو تم غسل کرو اور اپنا پاکیزہ ترین لباس زیب تن کرو، اور اپنی بہترین خوشبو سے اپنے آپ کو معطّر کرو)۔(۲۳)

عیدنوروز کے موقع پر ہدیہ دینا

مرحوم ابوجعفر محمد ابن علی ابن بابویہ القمی (معروف بہ شیخ صدوق ؒ) فرماتے ہیں: **أَتیٰ عَلیٌّ علیه السلام بهدیةِ النیروزفقال ؑ : ما هٰذا ؟ وقالوا یا امیرَالمومنینَ الیومُ النیروز فقال ؑ: اِصْنَعُوا لَنا کلُّ یومٍ نِیروز (و رُوِیَ اَنَّه قالَ ؑ نیروزُنا کلُّ یومٍ** (عیدنوروز کے دن حضرت علیؑ کیلئے ہدیہ لایا گیا، حضرتؑ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا! اے امیرالمومنینؑ: آج نوروز کا دن ہے [اور یہ ہدیہ اسی مناسبت سے ہے]۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا: ہمیشہ اس طرح کے کام کیا کرو، اور تمھارا ہر روز نوروز ہو۔[دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا: ہمارا ہر روز نوروز ہے])۔(۲۵)

مرحوم شیخ صدوق ؒ آگے جا کر ایک اور حدیث امام جعفر صادق ؑ سے بھی نقل فرماتے ہیں کہ ایک سائل نے امام جعفر صادق ؑ سے پوچھا: ایک صاحب مقام اور بلند مرتبہ شخص ہے، اور عیدنوروز کے دن لوگ اسکے لئے تحفے وتحائف لاتے ہیں اور چاہتے ہیں ان تحائف کے ذریعے اس شخص کے قریب ہوجائیں اور اس کے ساتھ تعلقات استوار کریں، آیا وہ شخص ان تحائف کو قبول کرے یا نہ کرے؟ امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا: کیا یہ تحائف دینے والے نماز پڑھتے ہیں؟ سائل نے عرض کیا! جی ہاں۔ امام صادق ؑ نے فرمایا: ہاں پھر وہ تحائف کو قبول کرے اور انہیں بھی محبّت آمیز جواب دے اور انکی مدد کرے۔ (۲۶)

ہفت سین ایک تحریف زدہ رسم

ہفت سین کا لفظ نوروز سے آشنا افراد کے لئے نامانوس نہیں ہے اور بہت سے افراد بالخصوص اہل فارس ہفت سین کو مدتوں سے بطور رسم انجام دیتے آرہے ہیں، تحویل سال کے وقت (وہ گھڑی جب سال تبدیل ہوتا ہے، اور سورج نئے برج میں داخل ہوتا ہے) یہ لوگ گھروں میں دسترخوان بچھاتے ہیں اور اس پر حرف سین سے شروع ہونے والی سات مختلف چیزیں رکھ دیتے ہیں، جو غالبا ہر ایک گھرانے یا قوم وقبیلے

کے نزدیک مختلف ہوتی ہیں، لیکن اگر ان ہفت سین کی رسم کا تاریخچہ معلوم کیا جائے تو بعید نہیں کہ اس رسم کا تاریخی پس منظر مولائے کائنات علیؑ کی وہ روایت ہو، جسے شیخ حرّ عاملی نے اپنی کتاب اثنیٰ عشریہ میں نقل کیا ہے۔(۲۷)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص وہ سات آیتیں جن کی ابتداء حرف سین سے ہوتی ہے، عرق گلاب اور زعفران سے چینی کے برتن پر لکھ لے، اور تحویل ساعت کے وقت اس ظرف میں پانی بھر کر پی لے تو وہ شخص اس سال کے آخر تک مریض اور سست نہیں ہوگا، اور اس شخص کا قرآنی بیمہ (حفاظت) ہوجائے گا، وہ سات آیتیں یہ ہیں:

۱۔ سَلٰامٌ قَوْلاً مِن رَّبٍّ رَّحِیْم (سورۂ یس آیت ۵۸)

۲. سَلٰامٌ عَلیٰ نُوحٍ فِی العالَمِینَ (سورۂ صافات آیت۷۹)

۳۔ سَلٰام عَلیٰ اِبْراهیم (سورۂ صافات آیت ۱۰۸)

۴۔ سَلٰامٌ عَلیٰ مُوسیٰ وَ هارونَ (سورۂ صافات آیت ۱۱۹)

۵. سَلٰامٌ عَلیٰ آلِ یاسینَ (سورۂ صافات آیت۱۲۹)

۶۔ سَلٰامٌ عَلیکُم طِبْتُمْ فَادْخُلُوها خالدینَ (سورۂ زمر آیت۷۳)

۷۔ سَلٰامٌ هِیَ حَتّیٰ مَطْلَعِ الفَجْر (سورۂ قدر آیت ۶)

پس معلوم ہوا کہ اس ہفت سین کی رسم کا بھی روایت میں ذکر موجود ہے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ اس رسم میں تحریف اور انحراف پیدا ہوگیا ہے، کیونکہ جب لوگ مسائل دینی سے ناآشنا یا کم آشنا ہوتے ہیں اور غیروں کی فرہنگ وتمدّن انکی نظروں میں بھانے لگتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر اسی اجنبی فرہنگ وتمدّن کا حصّہ بن جاتے ہیں اور اپنی اسلامی غنی فرہنگ کو بالکل بھول جاتے ہیں، اتفاقا ہفت سین کی مقدس اور معنوی رسم کے ساتھ بھی یہی المیہ پیش آیا ہے۔

(والسَّلامُ عَلیٰ مَن اتَّبَع الهُدیٰ)

حوالہ جات

۱۔ المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، ص۳۵۱

۲۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، ص۱۲۸۶

۳۔ النوروز فی مصادرالفقہ والحدیث، ص ۴۶

۴۔ زادالمعاد، علامہ محمد باقر مجلسیؒ، ص۵۲۳ ؛ نیز جواہرالکلام، ج1 (اغسال مستحبہ)

۵۔ مصباح المتہجد، شیخ ابو جعفر محمد ابن الحسن الطوسیؒ، ص۵۹۱

۶۔ زادالمعاد، علامہ محمد باقر مجلسیؒ، ص۵۲۵

۷۔ وسائل الشیعہ، محمد بن الحسن الحرّ العاملی، ج۲، ص۴۲۸ اور ج ۵، ص۲۸۸ (باب استحباب غسل یوم النیروز)

۸۔ کتاب القواعد، علامہ حسن ابن یوسف حلیؒ، ج1، ص۳؛ نیز رجوع کریں: الجامع الشرائع (اغسال مستحبہ)، ص۳۳

۹۔ کتاب الدروس، شہید اولؒ، ص۲؛ الذکریٰ، ص۲۳؛ البیان، ص۴

۱۰۔ شرح اللمعہ، شہید ثانیؒ، ص۳۴

۱۱۔ العروۃ الوثقیٰ، سید محمد کاظم طباطبائیؒ، ج ۱، ص۵۶۱ ؛ جامع عباسی، شیخ بھاءالدین العاملی، ص۱۱

۱۲۔ رجوع کریں: رسالہ توضیح المسائل (فارسی)، (مطابق با فتاویٰ مراجع تقلید: امام خمینیؒ، آیت اللہ خوئیؒ، آیت اللہ گلپایگانیؒ، آیت اللہ اراکیؒ، آیت اللہ منتظری)، مسئلہ نمبر: ۶۴۴ ؛ رسالہ توضیح المسائل (فارسی)، حضرت آیت اللہ شیخ محمّد فاضل لنکرانیؒ، مسئلہ نمبر۶۴۳؛ توضیح المسائل (اردو)، حضرت آیت اللہ حافظ بشیر حسین نجفی، مسئلہ نمبر۶۴۵؛ رسالہ توضیح المسائل (فارسی)، حضرت آیت اللہ سید صادق حسینی شیرازی، مسئلہ نمبر۷۰۴

۱۳۔ رجوع کریں: رسالہ توضیح المسائل (فارسی) حضرت آیت اللہ شیخ حسین وحید خراسانی، ص۳۱۳ تا ۳۱۵

۱۴۔ جامع المسائل، (استفتاآت) (فارسی)، حضرت آیت اللہ محمد فاضل لنکرانیؒ، ج۲، ص۱۵۶

۱۵۔ جواہرالکلام، شیخ محمد حسن النجفی، ج۵، ص۳۸ تا ۴۰

۱۶۔ جواہرالکلام، شیخ محمد حسن النجفی، ج۱۷، ص ۱۱۳

۱۷۔ المستند، ملّا احمد نراقیؒ، ج۱۷، ص۲۹۹

۱۸۔ کتاب الحدائق، شیخ یوسف بحرانیؒ، ج۱۳، ص۳۸ ؛ نیز رجوع کریں: المھذّب، محمد ابن فھد الحلّیؒ، ج1، ص۱۹۱؛ کشف الغطاء، شیخ جعفر النجفیؒ کاشف الغطاء، ص۳۲۴

۱۹۔ رجوع کریں: توضیح المسائل (فارسی)، (مطابق با فتاویٰ مراجع تقلید: امام خمینیؒ، آیت اللہ خوئیؒ، آیت اللہ گلپایگانیؒ، آیت اللہ اراکیؒ، آیت اللہ منتظری)، مسئلہ نمبر: ۱۷۴۸ ؛ توضیح المسائل (فارسی)، حضرت آیت اللہ شیخ حسین وحید خراسانی، مسئلہ نمبر: ۱۷۵۶ ؛ رسالہ توضیح المسائل (فارسی)، حضرت آیت اللہ شیخ محمّد فاضل لنکرانیؒ، مسئلہ نمبر۱۸۱۳ ؛ رسالہ توضیح المسائل (فارسی)، حضرت آیت اللہ سید صادق حسینی شیرازی، مسئلہ نمبر۱۸۸۷

۲۰۔ مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی، ص۲۹۸ تا ۲۹۹؛ زاد المعاد، علامہ محمد باقر مجلسیؒ، ص۵۲۳ تا ۵۲۵

۲۱۔ وسائل الشیعۃ، شیخ محمد ابن الحسن الحرّ العاملی، ج2، ص۴۲۸ ؛ ج۵، ص۲۸۸ ؛ ج۷، ص۳۴۶

۲۲۔ مصباح المتھجّد، شیخ ابوجعفر محمد ابن الحسن الطّوسیؒ، ص۵۹۱؛ کتاب السرائر، محمد ابن ادریس الحلّی؛ کتاب المھذّب، محمد ابن فھد الاسدی الحلّی، ج۱ ص۱۹۱؛ جامع عباسی، شیخ بہاء الدین العاملیؒ، ص۸۷

۲۳۔ کتاب الطہارۃ، شیخ مرتضیٰ انصاریؒ، ص۳۲۸ ؛ نیز رجوع کریں: وسائل الشیعۃ، شیخ محمد ابن الحسن الحرّ العاملیؒ، ج۷، ص۳۴۶ ؛ مصباح المتھجّد، شیخ ابوجعفر محمد ابن الحسن الطّوسیؒ، ص۵۹۱؛ کتاب الحدائق، شیخ یوسف بحرانیؒ، ج۴ ص۲۱۲ ؛ ج۱۳ ص۳۸۰

۲۴۔ من لایحضرہ الفقیہ، ابوجعفر محمد ابن علی ابن بابویہ القمی شیخ صدوقؒ، ج۳، ص۳۰

۲۵۔ وسائل الشیعۃ، شیخ محمد ابن الحسن الحرّ العاملیؒ، ج۱۲، ص۲۱۳ اور ۲۱۵ ؛ دعائم الاسلام ج۲ ص۳۲۶

۲۶۔ من لایحضرہ الفقیہ، ابوجعفر محمد ابن علی ابن بابویہ القمی شیخ صدوقؒ، ج۳، ص۳۰۰؛ نیز عینا اسی روایت کیلئے رجوع کریں: کتاب التھذیب، شیخ ابوجعفر محمد ابن الحسن الطّوسیؒ، ج۶، ص۳۷۸

۲۷۔ کتاب اثنیٰ عشریہ، شیخ محمد ابن الحسن الحرّ العاملیؒ، ص۱۶۳ (طبع قدیم)

☆☆☆☆☆

قیام امام حسین علیہ السلام کے اسباب واثرات علامہ طباطبائی کی نظر میں

جعفرعلی میر
اُستاد جامعۃ الحجت اسلام آباد

اشارہ

علامہ محمد حسین طباطبائی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ عالم اسلام کے عظیم مفسر مفکر فیلسوف اور عارف شمار ہوتے ہیں حتیٰ شیعہ مخالف حلقوں میں بھی ان کا نام عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے ۔بیس جلدوں پر مشتمل تفسیر المیزان سمیت ان کے کئی گرا بہا علمی آثار موجود ہیں ۔ایسی ہی ایک مختصر لیکن انتہائی گراں قیمت کتاب علم امام کے حوالے سے ہے جس میں علامہ نے علم امام پر ہونے والے شبہات کا ٹھوس اور مدلل جواب دیا ہے اور ساتھ امام حسینؑ کے قیام اور اس کے اسباب واثرات پر بھی انتہائی دقیق اور عمیق نگاہ ڈالی ہے ۔علامہ کی شخصیت اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے ضروری سمجھا کہ مذکورہ کتاب کا یہ حصہ مختصر تجزیہ تحلیل اور حوالہ جات کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جائے ۔

سوال:

عام طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے قیام کی راہ کیوں اپنائی ؟اور پھر اس کے کیا اثرات رونما ہوئے ؟اگر غور کیا جائے تو مذکورہ سوال کے تین حصے ہیں:

پہلا ان وجوہات کے بارے میں ہے جن کی بنا پر حضرت امام حسینؑ نے معاویہ کے خلاف قیام نہیں کیا۔دوسرا ان اسباب سے متعلق ہے جن کی اساس پر امام نے یزید کے خلاف ہر صورت قیام ضروری سمجھا تیسرا حصہ ان اثرات کے بارے میں ہے جو اس قیام کی نتیجے میں مرتب ہوئے:

ا۔امیر شام کے خلاف قیام نہ کرنے کی وجوہات

سب سے پہلے یہ حقیقت مدنظر رکھنا ہوگی کہ معاویہ خلفاء کے زمانے سے سرزمین شام کا والی مقرر تھا۔[1] تاریخ کے صفحات پر درج بیسیوں واقعات اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اس نے اہل شام کو پوری طرح اپنے شکنجہ میں جکڑا ہوا تھا۔[2] یہاں تک کہ بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔[3]

دوسری طرف اس نے اہل بیت رسالتؑ اور شیعیان اہل بیتؑ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا ۔ چنانچہ علامہ طباطبائی اس دور کو اہل بیت اور اہل تشیع کے لیے تاریک ترین دور قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں معاویہ نے دو پہلوؤں سے کام کیا اور اموی سلطنت کے قیام اور دوام کے لیے طویل منصوبہ بندی کی۔

ایک تو لوگوں کے ہاں مورد احترام اور مورد اعتماد صحابہ کو جیسے تیسے اپنے ساتھ ملا لیا اور انہیں اس کام پر مامور کیا وہ ایسی احادیث گھڑیں جن سے فضیلت صحابہ میں اضافہ اور اہل بیتؑ کی شان وشوکت میں کمی واقع ہو۔[4] اور ساتھ ہی یہ حکم بھی جاری کیا کہ تمام اسلامی مناطق میں منبروں سے ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے امیر المومنین حضرت علیؑ پر سب ولعن کی جائے ۔[5] یعنی بھر پور طریقہ سے اہل بیتؑ کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائی۔

دوسرا زیاد ابن ابیہ، سمرہ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ جیسے درندہ صفت گماشتوں کے ذریعے کئی برجستہ صحابہ کرامؓ سمیت شیعیان اہل بیت پر ظلم کے پہاڑ توڑے کہ تاریخ انہیں بیان کرنے سے شرم محسوس کرتی ہے ان خون آشام بھیڑیوں نے انتہائی درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے محبین اہل بیتؑ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ انہیں حکم تھا کہ شیعیان اہل بیت کا کھوج لگاؤ اور انھیں چن چن کر قتل کر دو ۔ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں ۔ تطمع تبلیغ اور تہدید (لالچ، پروپیگنڈا اور خوف وہراس) کی ایسی فضا میں لوگ اہل بیتؑ کے نام سے نفرت کرنے یا خوف کھانے لگے وہ نہ صرف دن بدن دور ہوتے گئے بلکہ اہل بیتؑ سے انکا رابطہ مکمل طور پر منقطع ہو گیا اور اس کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی مدت امامت دس سال ہے اور آخری چند مہینوں کے علاوہ باقی سارا عرصہ معاویہ کے دور حکومت میں گزرا۔[6] لیکن اس تمام عرصہ کے دوران ایک بھی روایت ایسی نہیں ملتی جو لوگوں نے حضرت امام حسینؑ سے

نقل کی ہو، جس سے یہ کہا جا سکے کہ عام لوگوں کا بھی حضرت امام حسینؑ کے ہاں آنا جانا تھا۔ گھٹن کے اس ماحول اور اسلامی مناطق پر چھائی خوف و ہراس کی اس فضا میں امام حسینؑ قیام کرتے بھی تو اس کوئی فائدہ یا اثر نہ ہوتا، کیونکہ معاویہ نے اپنے بیس سالہ دور حکومت کے دوران ۹ اپنے آپ کو برجستہ صحابی اور کاتب وحی کے طور پر متعارف کرایا ۸ حتی "خال المومنین" جیسا مقدس عنوان بھی اپنے اوپر طاری کر لیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ خلفاء کے دور میں بھی ان کا مورد اعتماد اور مورد تائید رہا تھا۔ وہ بہت آسانی کے ساتھ امام حسنؑ کی طرح امام حسینؑ کو بھی خود ان کے گھر میں اپنے کارندوں کے ہاتھوں شہید کروا دیتا اور پھر مکاری اور عیاری سے کام لیتے ہوئے ان کا وارث بن کر علم انتقام بلند کر دیتا بلکہ ان کے قتل پر گریہ وزاری اور سینہ کوبی بھی کرتا۔ اور اپنے آپ کو امام حسینؑ اور خاندان اہل بیت کے حامی کے طور پر متعارف کراتا۔ اور شاید یہی وجہ ہے امامؑ نے مدینہ سے باہر نکلنے کو ترجیح دی یوں نہ صرف امامؑ کا خون چھپ جاتا بلکہ ان کی قربانی بھی رائیگاں چلی جاتی دراصل لوگوں کے سوچنے سمجھنے، فہم و ادراک اور حق و باطل میں پہچان کی صلاحیت بہت ہی محدود بلکہ معدوم کر دی گئی۔ انہیں غفلت، بے حسی اور لاتعلقی کا زہریلا انجکشن لگا میٹھی نیند سلا دیا گیا، ایسے میں امام حسینؑ قیام کرتے تو معاویہ بآسانی نہ صرف ان کی آواز دبا دیتا بلکہ لوگ بھی امام حسینؑ ہی کو قصوروار گردانتے۔

۲۔ یزید کے خلاف قیام کے اسباب

اپنی بحث کے اس حصے میں قیام امام حسینؑ کے اسباب پر نگاہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں موجود اس تاثر کا بھی جائزہ لیں گے کہ اگر بیعت طلب نہ کی جاتی تو امام کبھی قیام نہ کرتے۔ اس کے لیے ایک تو یزید کی شخصیت اور ذہنیت کا اندازہ لگانا ہوگا جس کے بارے میں تاریخ نے یہ حقیقت پورے وثوق سے بیان کی ہے کہ وہ ذرہ برابر حتی ریاکاری، جھوٹ موٹ اور دکھاوے کے طور پر بھی اسلامی احکام پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا، بلکہ کھلے بندھوں گانے بجانے، شراب نوشی، اور بندروں اور کتوں سے کھیلنے میں مصروف رہتا ۱۰ علاوہ ازیں اسلامی اعتقادات پر رتی برابر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ ۱۱ چنانچہ جب شہداء کربلا کے سر اور اسیر دمشق لائے گئے تو اس نے کوے کی آواز سن کر کہا:

لما بدت الحمول و اشرقت تلک ائروس علی شفا جیدون

نعب الغراب فقلت قل او لاتقل فقد اقتضیت من الرسول دیونی ۱۲

جب جیرون کی طرف سے نیزے ظاہر ہونا اوران پر آویزں سر چمکنا شروع ہوئے تو کوا چلا نے لگا۔ میں نے اسے کہاتم چلاو یانہ چلاؤ میں نے رسول سے اپنے تمام قرض چکا دیئے ہیں۔اسی طرح جب یہ قافلہ اس کے دربار میں داخل ہواتو اس نے چنداشعار کہےان میں سے ایک یہ ہے۔

لعبت ھاشم بالملک فلا خبر جاء ولاوحی نزل ۔۱۳

بنو ہاشم نے صرف حکومت اور اقتدار کے لیے یہ سب کھیل رچایا ہے۔ورنہ (خدا کیطر ف سے)خبر آئی ہے نہ کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔

ایسی ذہنیت اور کردار کا مالک خلیفۃ الرسول کے عنوان سے منبر رسول پر بیٹھ جائے اورزمام مسلمین اپنے ہاتھوں میں لے لے،تو اس صورت میں امام حسینؑ جیسی شخصیت کی خاموشی اس کے تمام افعال کی مکمل تائید شمار ہوتی اوراس کے تمام کرتوں کواسلام کے مطابق قرار دیا جاتا اورلوگ یہی کہتے ک جب یزید کے افعال وکردار پر امام حسینؑ نے کوئی آواز نہیں اٹھائی تو ہمیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے اور یوں اسلام کی اصل صورت بگڑ کر رہ جاتی۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ نے قیام کا فیصلہ کیا۔اور یہ تاثر بالکل غلط ہے کہ آپ نے بیعت کے مطالبے پر قیام کا فیصلہ کیا بلکہ بالفرض آپ سے بیعت کا مطالبہ نہ بھی کرتا پھر بھی آپ اس کی راہ وروش اور کرتوتوں پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔خواہ اس کے لیے کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ چکانی پڑے۔حتی اپنے عزیز واقرباءاور شیر خوار بچوں کی قربانی دینا پڑے اوراپنی مستورات عصمت کے پردے ہی کیوں نہ لٹانے پڑتے۔چنانچہ امامؑ نے اپنے اس فریضہ (قیام) کی طرف کئی مقامات پر اشارہ فرمایا جس کا حتمی نتیجہ موت اورشہادت تھا۔لہذا مدینہ سے روانگی کے وقت ام المومنین ام سلمیٰؓ سے فرمایا: خدا مجھے (فریضہ کی ادائیگی میں)خاک وخون میں غلطاں دیکھنا چاہتا ہے۔۱۴

اسی طرح جب مکہ سے عراق کی جانب حرکت کی تو راستے میں لوگوں کے روکنے پر یہی الفاظ تکرار کیے۔اور جب راستے میں عمر بن لوذان نے دگر گوں حالات کے پیش نظر انہیں کوفہ جانے سے یہ کہ کر روکنے کی کوشش کی تو فرمایا میرے لیے بھی یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ لوگ

مجھے چھوڑنے والے نہیں۔ اگر میں کہیں اور بھی چلا جاؤں پھر بھی یہ مجھے قتل کر کے رہیں گے۔ ۱۶

یہاں علامہ طباطبائی ایک ظریف نکتہ بیان فرماتے ہیں۔ یہ جو ہم قیام امام حسینؑ کا مقصد شہادت کا حصول قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے انہیں خاک وخون میں غلطاں دیکھنا چاہتا تھا تو اس سے مراد یہ نہیں کہ امام بیعت سے انکار کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائیں کہ اے یزید آؤ اور مجھے قتل کر ڈالو۔ یوں انتہائی مضحکہ خیز انداز میں اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کامیابی کا نعرہ لگائیں اور اسے قیام کا نام دے دیں۔ بلکہ امامؑ کا فریضہ یہ تھا کہ یزید کی شرمناک خلافت کے خلاف قیام اور بیعت سے انکار کے نتیجے میں جام شہادت نوش کر جائیں اور یہ کام اتنا برملا کریں کہ وہ اسے دبانے یا چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور لوگوں پر اس کے اثرات مرتب ہونے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اصل میں امامؑ جانتے تھے کہ غفلت کی میٹھی نیند سونے والی لاتعلق اور بے حس امت کو بیدار کرنے ان کی بے حسی اور لاتعلقی کو ختم کرنے اور انہیں ناسمجھ امت سے سمجھدار اور باشعور بنانے کے لیے خون کے چھینٹوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے آپ بار بار یہی فرماتے: مجھے معلوم ہے کہ جو قدم میں نے اٹھایا ہے اس کا انجام موت ہے لیکن خدا کی مشیت (البتہ مشیت تشریعی نہ کہ مشیت تکوینی) اور اس وقت میرا فریضہ یہی ہے۔ ۱۷

۳۔ قیام امام حسینؑ کے اثرات

حضرت امام حسینؑ اس انتظار میں تھے کہ کب معاویہ اور یزید غلطی کا ارتکاب کریں اور وہ فوراً، اپنے خون کے چھینٹوں سے اس سوئی ہوئی امت کو بیدار کر دیں۔ اور باپ بیٹا ان کا پیغام دبانے اور قربانی ضائع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ چنانچہ پہلی غلطی معاویہ نے اس وقت کی جب اس نے یزید کو اپنا جانشین نامزد کر کے لوگوں سے بیعت لینا شروع کی ۱۸

دوسری غلطی یزید نے اپنے باپ کی وصیت کو نظر انداز کر کے کی جس نے اسے امام حسینؑ کو نہ چھیڑنے کی تاکید کی تھی۔ ۱۹

دراصل معاویہ کو اس چیز کا بخوبی ادراک تھا کہ امام حسینؑ اس انتظار میں ہیں کہ ہم غلطی کریں اور ہماری بچھائی ہوئی بساط کو الٹ کر رکھ دیں اور اموی سلطنت کے قیام اور دوام کی طویل منصوبہ بندی کو ناکام بنا دیں۔ اور ہمارے ہاتھوں اور ہتھکنڈوں سے سوئی اور کچلی ہوئی قوم کو بیدار کرنے اور اٹھانے میں

کامیاب ہوجائیں۔لہذا اس نے یزید کو امام حسینؑ سے بیعت پر اصرار نہ کرنے کی وصیت کی تھی۔علامہ طباطبائی اسی حوالے سے لکھتے ہیں: معاویہ نے امام حسینؑ سے محبت یا اخلاص کی بنا پر یہ وصیت نہیں کی تھی بلکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ امامؑ کبھی بھی بیعت نہیں کریں گے اور اگر وہ یزید کے ہاتھوں مارے گئے اہل بیت مظلوم بن کر ابھریں گے اور یہ اموی سلطنت کے لیے انتہائی خطرناک اور اہل بیت کے لیے تبلیغ اور پیشرفت کا بہترین وسیلہ ثابت ہوگا۔اور بالآخر وہی ہوا جس کا معاویہ کو خوف تھا امام نے موقع ملتے ہی اپنی بے مثال قربانی سے اس کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔اس کی بچھائی ہوئی بساط کو نہ صرف الٹ کر رکھ دیا بلکہ اپنے قیام سے دوررس اثرات مرتب کیے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ سب سے پہلا اثر یہی سامنے آیا کہ اہل بیت کی مظلومیت اور حقانیت واضح اور روشن ہوکر سامنے آ گئی وہ حقیقت جسے معاویہ نے چھپانے اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی اس قربانی اور قیام کے نتیجے میں قیامت تک کے لیے عیاں اور آشکار ہوگئی۔

۲۔ وہ لوگ جنہیں ہر ممکن طریقے سے در اہل بیتؑ سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی وہ جوق در جوق اس در پر حاضر ہونے لگے اور نہ صرف اطراف واکناف بلکہ دور دراز سے بھی لوگ آ کر اس در سے فیض یاب ہونے لگے جسے (تہدید، تطمیع ،تبلیغ) یعنی ڈرانے دھمکانے طمع لالچ اور پروپیگنڈے کے ذریعے لوگوں پر بند کر دیا گیا تھا۔

۳۔ وہ امت جسے مختلف حیلوں بہانوں اور ہتھکنڈوں سے بے حس اور لاتعلق بنا کر غفلت کی میٹھی نیند سلا دیا گیا وہ ایسے بیدار ہوئے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد تقریبا ۱۲ سال تک مختلف تحریکیں جنم لیتی رہیں اور خون ریزی کا سلسلہ جاری رہا۔

۴۔ وہ لوگ جنہیں فہم وشعور سے عاری اور حق وباطل کے درمیان فرق کرنے سے محروم کر دیا گیا تھا وہ تیزی سے فہم وشعور کی منازل طے کرنے کے قابل ہوگئی۔اور یہ وہ خوفناک کابوس تھا جو ہر وقت معاویہ کو چمٹا رہتا تھا اس کی تمام تر کوشش تھی کہ یہ کابوس حقیقت کا روپ نہ دھار سکے۔لیکن امام حسینؑ نے اپنے قیام اور قربانی سے اسے حقیقت کا روپ دے دیا۔معاویہ ویزید کی سازشوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن اور حقیقی اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

حوالہ جات

۱۔کنز العمال، متقی ھندی، ج۵،ص۷۷۱   ۲۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱،ص۲۳
۳۔مروج الذہب ۔مسعودی
۴۔انساب الاشراف ، احمد بن یحیی بلدذری، ج۱،ص۲۴۳، تاریخ طبری، شہر بن جدید طبری۔ ج۵،ص۱۲۵۳ الکامل فی التاریخ، ابن ایثر جزری، ج۳،ص۲۷۴، المنتظم ، ابن جوزی، ج۵،ص۲۴۱
۵۔المحلی ، ابن حزم اندلسی، ج۵۔ص۸۶
۶۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱۱،ص۴۴۔الغارات، ابواسحاق ثقفی، ج۲،ص۴۱۷
تاریخی یعقوبی، ج۲،ص۱۴۰، تاریخ طبری، محمد بن جدید طبری، ج۴،ص۱۰۷
۷۔شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید
۸۔البدایۃ والنہایۃ ، ابن کثیر دمشقی، جلد۵۔ص۱۹۷   ۹۔ایضاً
۱۰۔شبیر و یزید، پروفیسر حبیب اللہ چستی ،ص۲۲۰، بضیۃ الراحد فی شرح العقائد، علامہ نواب صدیق خان بھوپالی، ص۹۸ فتاویٰ رشدیہ، علامہ رشید احمد گنگوہی ،ص۳۸
۱۱۔احکام شریعت، امام احمد رضا خان، ج۲،ص۱۵۲ روح المعانی، آلوسی ج۲۷،ص۷۳
۱۲۔روح المعانی، آلوسی، ج۶،ص   تذکرہ الخواص، ابن جوزی، ص۱۴۸
۱۳۔مقتل خوازمی۔ ج۲،ص۶۴، بلدغات النساء ص۲۱
۱۴۔چہرۂ خونین حسینؑ عبدالزراق المقرم ترجمہ فارسی عزیز اللہ عطاری ص۵۷
۱۵۔چہرۂ خونین حسینؑ عبدالزراق المقرم ترجمہ فارسی عزیز اللہ عطاری ص۵۸
۱۶۔چہرۂ خونین حسینؑ عبدالزراق المقرم ترجمہ فارسی عزیز اللہ عطاری ص۵۹
۱۷۔الکامل فی التاریخ ابن ایثر جزری، ص۴۹۱، سنۃ ست وخمسین
تاریخ الرحم والملوک، ابن جریر طبری، ص۹۷۰ سنۃ الستین
۱۸۔البدایۃ والنھایۃ، ابن کیثر دمشق۔ ج۵،ص۶۶۸
۱۹۔الکامل فی التاریخ، ابن ایثر جزری، ص۴۹۱، سنۃ ست وخمسین ۔

امام حسین علیہ السلام کی سیرت کے چند نمایاں پہلو

سید حسنین عباس گردیزی

پرنسپل جامعۃ الرضا ،اسلام آباد

مورخین نے امام حسین علیہ السلام کی ولادت نشو ونما، اہل بیت÷ واہل کساء کی منقبت آپ کے جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے میعار عدل، آپ کی مادر گرامی جناب فاطمہ زہرا ؑ کی سیرت اور آپ کے والد بزرگوار علی ابن ابی طالب کے عظیم کردار کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے آپ نے اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰؑ کے ہمراہ بہت سے امور میں شرکت فرمائی اور اکثر کتب حدیث وتاریخ دونوں بھائیوں کے مشترکہ مناقب نقل کرتی ہیں، اس کے باوجود امام حسینؑ ایسے ذاتی کمالات کے مالک تھے جو دوسروں میں نہیں پائے جاتے جن کی وجہ سے آپ کی پوری ندگی نہایت عجیب تھی۔ان عجائبات میں آپ کا شش ماہہ دنیا میں آنا بھی شامل ہے۔آپ کی شہادت بھی بے نظیر ہے آپ کے اس خونین معرکہ میں بہت سے ایسے کلمات کا عملی ترجمہ ومعانی ملتے ہیں کہ اگر امام حسین علیہ السلام کی ذات نہ ہوتی تو ان کلمات کے معنی ہرگز سمجھ میں نہ آتے۔عشق وارادہ، صبر واستقامت، حریت وجانبازی انہی موارد میں شامل ہیں۔سید الشہد ؑ حسن اخلاق ،تواضع ،ادب بخشش، صلہ رحم ،صداقت ،ہدایت، عبادت، عقلمندی ،بردباری ،شجاعت دلیری، آزادی ونیکی، قربانی اور درگذشت، شرافت عشق، ہدف اور مسلک، صبر واستقامت، سیاست ملی اور مظلومیت کا بہترین مرقع تھے۔آپ نے ان تمام کلمات وصفات کے ایسے عملی معانی پیش کیے کہ کسی سے ان کے ایسے معانی بیان نہیں ہو سکے۔امام حسینؑ نے اپنی صفات ،گفتگو بچپن کے مشاغل، معلّمی، لباس ،انگشتری ،استعمال خوشبو، سواری کے مرکب، مجالس ، بحث، مال ودولت وصدقات، سخاوت وبخشش ،امیر شام کے ساتھ خط وکتابت اور تعلق ،شجاعت ودلیری ،عقلمندی، خیرات، خوبیوں ،نماز، روزہ، ادعیہ احتجاجات حج وعمرہ، تواضع ،ادب، حسن اخلاق، سعادت، آزادی ،عشق، عفوودرگزر، امانت، عدالت ،امامت خلافت، علم، وصیت ،اپنے جد بزرگوار اور والدین شریفین سے روایات وغیرہ تمام صفات میں ممتاز

شخصیت رکھتے تھے۔حضرت کی ان ذاتی صفات کے متعلق چونکہ کم لوگ واقفیت رکھتے ہیں اس لیے امام حسین علیہ السلام کی سیرت کے بعض وشوں پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام حسینؑ کی فہم وفراست

فراست انسانی فضائل میں شامل ہے جس کے ذریعے گفتگو کے نکات اور دقائق کا ادراک کیا جاتا ہے اور حقائق کے بیان سے نتائج نکالے جاسکتے ہیں مومن کی فراست اور عقلمندی اہمیت کی حامل ہے جس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''اتقو فراسة المومن فانه ينظر بنور الله'' [2]

یعنی مومن سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اس کے سامنے جھوٹ اور خلاف واقع گفتگو سے کام نہ لے کیونکہ مومن سمجھتا ہے اور اپنی فہم وفراست سے مطالب کا ادراک کر لیتا ہے۔امام حسینؑ ایمان کامل کے مظہر ہیں، ہر چیز کو عالم امکان میں نور حق سے مشاہدہ فرماتے اور ہر کام کے نتائج سے باخبر ہیں۔ابن قیم جوزی کتاب ''طرق الحکمۃ'' میں کہتے ہیں: امام حسین خصوصی فراست کے مالک تھے ایک شخص نے ان کے خلاف دعویٰ کیا، امامؑ نے فرمایا 'قسم کھا اور یہ چیز لے لیں' اس شخص نے قسم کھائی اور کہا 'والله الذی لا اله الا هو ' امام نے فرمایا: کہہ 'واللہ واللہ واللہ' یہ قسم کھا کر وہ اٹھا لیکن اس کے پاؤں لڑکھڑائے اور وہ گر پڑا۔لوگوں نے پوچھا: یا حسینؑ! یہ کیسا عمل تھا؟ فرمایا: میں نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے کراہت کرتا ہے لہذا جب اس نے تین مرتبہ اللہ کا نام لیا تو ظاہر ہو گیا کہ جھوٹا اور منافق ہے، اس لیے مر گیا [3] مسلم اپنی صحیح میں امام حسین علیہ السلام کی لوگوں کے مقدمات ،حکومت اور عدل وانصاف کے متعلق فراست کی روایت کرتا ہے۔ [4]

امام حسینؑ کی حاضر جوابی کا ایک واقعہ نقل ہوا ہے ایک مرتبہ امام حسین -عبداللہ ابن عمرو ابن عاص کے سامنے سے گزرے، عبداللہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور خوشامدانہ لہجہ میں کہنے لگا: **قال رسول الله من احب ينظر الى احب اهل الارض الى اهل السماء فلينظر الى هذه المجتاز .** رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ وہ اہل زمین میں سے اسے دیکھے جو اہل آسمان کو سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ اس گزرنے والے کو دیکھے۔امام حسین - نے جب یہ سنا تو اسے صحابی رسولؐ حضرت

ابوسعید خدری کے ذریعے اپنے پاس بلایا اوراس سے استفسار فرمایا کہ جب تو مجھے تمام مخلوقات ارضی وسماوی سے زیادہ محبوب سمجھتا ہے تو پھر کیوں تم نے جنگ صفین میں میری اور میرے والد بزرگوار کی مخالفت کی اور ہمارے مقابلے پر جنگ کی حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ میرے والد بزرگوار مجھ سے زیادہ فضلیت رکھتے ہیں ۔عبداللہ نے جواب دیا کہ میں اسے وقت اپنے والد کی اطاعت کی وجہ سے جو کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کا عین حکم تھا، مجبور ہو گیا تھا کیونکہ میرے باپ عمروابن عاص نے مجھے یہ حکم دیا تھا۔آپ نے فوراًاس کے جواب میں ارشاد فرمایا: کیا تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول خدا ؐ کے حکم کو جانتا ہے یا پھر اپنے بظاہری قیاس سے کام لے رہا ہے: کیا تو نے قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ حکم نہیں پڑھا جو گمراہ کرنے والے والدین کے لیے بطور خاص آیا ہے۔اور وہ یہ ہے:'**وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعهما**'۔۵؎ اگر تیرے والدین تجھے شرک کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کر۔میرے محترم نانا نے فرمایا ہے۔'**انما الطاعة الطاعة فی المعروف**" ۔٦؎ اطاعت والدین امور مجوزہ شرعیہ میں منحصر ہے نہ کہ امور ممتنعہ شرعیہ میں۔دوبارہ آپ نے فرمایا: '**لا طاعة لمخلوق فی المعصية الخالق**'۔ے اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں بندوں کی اطاعت ہرگز نہیں ہے۔۸؎

فصاحت وبلاغت

امام حسین علیہ السلام اپنے زمانے میں بڑے فصیح اللسان تھے عرب کی زباندانی کی خوبیوں کا انحصار اس زمانے میں آپ پر ہی تھا آپ کی تقریر کی فصاحت اور حسن بلاغت اور بیان کی سلاست کا یہ عالم تھا کہ عرب کے بڑے بڑے ادیب،مقرر اور گویا آپ کے خطاب کو سننے کے لیے دور دور سے مدینے آتے تھے اور آپ کے کمال لطافت بیان اور فصاحت بیان کو سن کر آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے ۔چنانچہ محمد ابن طلحۃ الشافعی نے اپنی کتاب مطالب السؤل میں حضرت امام حسنؑ کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی مسجد الحرام میں داخل ہوا،اس وقت امام حسن -اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور اصحاب نے ان گرد حلقہ باندھا ہوا تھا،اس نے امام حسنؑ کے ساتھیوں میں سے کسی سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے بتایا یہ امام حسنؑ ہیں اعرابی نے کہا میں نے اسی شوق میں جنگلوں، پہاڑوں اور وادیوں کا سفر طے کیا ہے،ان سے کلام عرب کے متعلق سنوں اور عربی زبان کے مسائل دریافت کروں

۔اس کی یہ باتیں سن کر امام کے صحابی نے کہا اگر تمہارے آنے کا مقصد یہ ہے تو پھر اس جوان (اس نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کیا) سے گفتگو کر۔پس وہ اعرابی امام حسین -کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا آپ نے پوچھا تیری حاجت کیا ہے؟اس نے کہا میں آپ کے پاس۔ہرقل۔جعلل۔ایثم اور ہمہم سے آیا ہوں۔امام نے ارشاد فرمایا: اے اعرابی تم نے ایسا کلام کیا ہے جسے صرف عالم ہی سمجھتے ہیں۔اس نے کہا مزید بھی عرض کروں کیا آپ جواب دیں گے،آپ نے فرمایا تیرا جو جی چاہیے بیان کر میں جواب دوں گا۔اعرابی نے کہا میں بدو ہوں اور میرا اکثر کلام شعر ہے اور وہ دیوان عرب ہے پس اس نے چند اشعار پڑھے اس کے بعد امام -نے فرمایا: تو نے جو کہنا تھا کہہ چکا اب ہم سے سنو پھر آپ نے یہ شعر پڑھے:

فما رسم مغجانی انمحا اية رسمية　　سفوردرج الذيليس فی بوغآ ء قاعيه

ومردحرجف تترى على تلبيد نوبيه　　ودلاح من المزن دفافؤ سماكيه

ان شعجزالودق يجود من خلاليه　　وقد احمد برقاه فلا ذم لبرقيه

وقد جلل رعداه فلا ذم لرعديه　　يجيج الرعد شجاج اذاارخى نظاقيه

جب حضرت شعر پڑھ چکے تو اعرابی نے کہا میں نے آج تک اس صاحبزادے سے بڑھ کر کسی کو **اصح الکلام افصح البیان** اور تیز زبان نہیں دیکھا۔9 امام حسینؑ جس طرح فوج کے کامل ترین سپہ سالار تھے،اسی طرح آپ حروف وکلمات اور الفاظ کی تنظیم پر بھی قادر تھے۔آپ کے والد گرامی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو امیر البیان تسلیم کیا جاتا تھا انہیں الفاظ ومعانی پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ ہر لفظ میں وہ معانی سمودیتے جس کی بروقت ضرورت ہوتی کلمات کی صفوں کو ایسے آراستہ کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی فصاحت وبلاغت میں امام حسینؑ،صلح ہوتی یا جنگ،خوشی ہوتی یا غم،اپنے والد بزرگوار سے کسی طرح مختلف نہ تھے۔اپنے عمیق احساسات کے بارے میں جب بھی ارادہ فرماتے انہیں الفاظ کے قالب میں آراستہ کرلیتے اور یہ اس خوبی سے ہوتا کہ سننے والا اپنے مقام پر لرزہ براندام ہوجاتا امام حسینؑ نظم ونثر دونوں میں اپنے پدر گرامی کی مانند تھے۔عربی زبان میں عرب کے فصیح وبلیغ ترین افراد جو شعر کہتے اسی وزن اور قافیہ میں امام حسینؑ فی البدیہہ شعر کہتے تھے۔مشہور مورخ ابن اعثم کوفی لکھتا ہے جس وقت

گھمسان کی جنگ ہورہی تھی ،فوجیں آپس میں دست بدست لڑائی میں معروف تھیں ،ایک دوسرے پر تیروں تلواروں اور نیزوں سے حملے ہورہے تھے، بنی ہاشم کے افراد اوران کے انصار ومددگار پاؤں جما کرلڑ رہے تھے،اسی ہنگامے اور جنگ کی شدت میں جب کہ اصحاب شہید ہورہے ہیں بیٹے اور بھائی قتل ہورہے ہیں ۔امام علیہ السلام ایک مطمئن ، پرسکون اور نڈر شاعر کی طرح تلوار چلاتے اور جنگ کرتے ہوئے فرما رہے تھے:

عذر القوم وقوما ً رغبو　　　　عن ثواب الله رب الثقلین

اس قوم نے دھوکا کیا اور اللہ تعالی دونوں جہانوں کے رب کے اجروثواب سے منہ موڑ لیا

قتلو ا قوما ً علیاً و ابنه　　　　حسن الخیر کریم الابوین

کچھ لوگوں نے علیؑ اوران کے بیٹے حسنؑ کو جوکریم والدین کی اولاد تھے قتل کردیا

حسداً منهم وقالوا قبلوا　　　　تقتل الان جمعا للحسین

ان کا یہ عمل حسد کی بنا پر تھا اورانہوں نے کہا آؤاب ہم سب مل کر حسینؑ کوقتل کریں۔

خیر ه الله من الخلق ابی　　　　ثم امی فاما ابن الخیر تین

میرا باپ اللہ کی طرف سے تمام مخلوقات میں سے بہترین تھا اسی طرح میری ماں بھی بس میں دو بہترین ہستیوں کا فرزند ہوں

فضه قد صفیت من ذهب　　فانا الفضه و ابن الذهبین

چاندی سونے جیسی صفات رکھتی ہے پس میں چاندی ہوں اور، دوسونے کا فرزند ہوں

من له جد کجدی فی الوری　　　　اور کشیخی فانا ابن القمرین

میرے نانا جیسا کائنات میں کس کا نانا ہےاوردادا جیسا پس میں دو چاندوں کا بیٹا ہوں

فاطمة الزهراؑ امی و ابی　　　　قاصم الکفر ببدر وحنین

فاطمہ زہراؑ میری ماں ہیں اور میرے باپ بدروحنین میں کفار کوتہہ تیغ کرنے والے ہیں۔

وله فی یوم احد وقعة　　　　شفت الغل بغض العسکرین

اوراحد کے دن انہوں نے لشکر کوتوڑ کر دلوں کوٹھنڈا کیا اور بیماری کی شفادی

ثم بالاحزب و الفتح معاً　　　　　　کان فیھا حتف اھل الوثنین ۱۰

پھر احزاب اور فتح مکہ کے موقعہ پر وہ بت پرستوں کے لیے پیغام اجل تھے ان اشعار میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس قدر شدید جنگ کے دوران اس قدر تاریخی اور آسمانی حقائق عروض وقوافی ومنابع بدیعہ رکھنے والے الفاظ دقیق معانی کے حامل کلمات وبلند درجہ جملات اور مطالب کی تشریح بیان کرنے والے جملوں کا بیان کیا معجزہ کو ظاہر نہیں کرتا۔ایسے جملے جن میں شجاعت مفاخرت،شرافت وبلندی حسب ونسب اور تاریخی واقعات کا ذکر بھی موجود ہو۔ابن صباغ مالکی اور شیخ کمال الدین طلحہ شافعی لکھتے ہیں :امام حسینؑ کے سامنے فصاحت وبلاغت کا یہ عالم تھا گویا الفاظ کی فوج دست بستہ وعاجز ان کے سامنے کھڑی ہو۔۱۱

مختلف مواقع پر آپ کے خطبات اور کلمات فصاحت وبلاغت کے شاہکار ہیں ایک مرتبہ عمرو ابن عاص نے معاویہ سے فرمائش کی کہ جناب امام حسینؑ سے خطاب کرانا چاہیے معاویہ نے اس کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم امام حسنؑ کی نسبت بھی ایسا ہی خیال کرتے تھے حالانکہ تمہاری امید کے خلاف امام حسنؑ نے اپنے حسن تقریر سے تمہاری گردنوں کا نیچا اور تمہارے دلوں کو پاش پاش کر دیا تھا عمرو بن عاص نہیں مانا اور اس نے حد اصرار کیا اس نے مجبور ہوکر امام حسین علیہ السلام سے کہا اور آپ نے نہایت رغبت سے اس استدعا کو قبول کرتے ہوئے تمام اہل اسلام کے مجمع عام یہ خطاب فرمایا:

”نحن حزب الله الغالبون وعترة رسول الله ﷺ واھل بیته الطیبون و احد الثقلین الذین جعلنا رسول ﷺ ثانی کتاب الله تبارک وتعالیٰ الذی فیه تفصیل کل شی لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لامن خلفه و المعول علینا فی تفسیره و لا نطبا بتاویله بل نتبع حقائقه فا طیعونا فان طاعتنا مفروضة قال الله عزوجل اطیعوا الله و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئی فردوه الی الله و الرسول وقال لوردوه الی الرسول و الی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم ولو لا فضل الله علیکم ورحمة لا تبعتم الشیطان الاقلیلاو احذرکم الا صفاع الی صفوات الشیطان منکم و انه لکم عدو مبین فتکونوا اولیا ء ه الذین قا ل لهم لا غالب لکم الیوم من الناس و انی

جارلکم فلما ترائت الفئتان نکص علی عقبیہ وقال انی بری منکم فتلقون للسیوف ضربا وللرماح وردا ء و للعمدحطما وللسھام عرضا ثم لا یقبل من نفس ایمانھا لم تکن آمنت من قبل او کسبت فی ایمانھا خیرا''.

یعنی ہم خدائے سبحانہ وتعالیٰ کے لشکر ہائے غالب ہیں اور ہم عترت رسول خدا ﷺ ہیں اور ہمیں رسول اکرم ﷺ کے اہل بیتؑ ہیں۔اور ہم دوثقل عظیم میں سے ایک ثقل ہیں۔اور ہم ہی کو جناب رسول اکرم ﷺ نے ردیف قرآن بتایا ہے۔جس میں تمام اشیاء کی تفصیل ہے۔اور جوتمام نقائص سے پاک صاف ہیں ۔اسکی تفسیر ہمارے پاس ہے اوراس کا اصل مطلب سمجھنے میں ہمیں کوئی شک عارض نہیں ہوتا بلکہ ہم اس کی حقیقت کا سراغ لگانا جانتے ہیں۔پس تم لوگ ہماری اطاعت اختیار کروکہ خداوندعزوجل نے ہماری اطاعت تم لوگوں پرفرض کی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا اطاعت کروخدا کی اوراطاعت کرورسولؐ اوران لوگوں کی جو صاحبان امر ہیں۔پھر جن امور تصفیہ طلب میں تم میں مناقشہ ہوتو انہیں کوخدا رسولؐ کی طرف پلٹا دو۔نیز فرمایا کہ اگر رجوع کریں گے وہ رسول کی طرف اوران صاحبان امر کی طرف جوان ہی میں سے ہیں تو وہ لوگ جو تاویل وتفسیر قرآنی سے آگاہ ہیں سمجھ لیں گے اور اگر فضل خدااور رحمت خدا تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم عموماً شیطان کے پیرو ہوجاتے بہت ہی کم بچتے۔میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ اغوائے شیطانی کی طرف کان نہ دھرو جوتم ہی میں سے ہے اوروہ تمہارا کھلا دشمن ہے جب یہاں تک آپ کا خطبہ پہنچا تو معاویہ آپ کےان مضامین سے ازحد متاثر ہوکر کہنے لگا۔**حسبک یا ابا عبد الله علیه السلام فقد ابلغت** ۔یعنی جوکچھ شرائط ابلاغ تھے بجالائے اب زیادہ کی حاجت نہیں یہ سن کر جناب امام حسینؑ منبر سے نیچے اتر آئے۔ [۱۲]

ایسا ہی ایک اورخطبہ جوعرب کی فصاحت وبلاغت کا عدیم المثال نمونہ ہے۔نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں ۵۷ء کا ذکر ہے کہ سیدالشہد علیہ السلام ،عبداللہ بن جعفر،عبداللہ بن عباس،شیعان علیؑ اور دیگر دوستوں کے ہمراہ حج کے لیے عازم مکہ ہوئے مکہ میں اطراف وجوانب کے لوگ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر بنی امیہ اورامیر شام کے جرائم اور مظالم بیان کرنے لگےاس سلسلے میں امام حسینؑ نے پہلی بار،باقاعدہ طور پر منیٰ میں ایک خطبہ ارشادفرمایا۔جس میں ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام اورتابعین موجود

تھے۔آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"امابعد فان هذاالطاغية قد صنح بناو بشيعتنا ما قد علمتم ورايتم وشهدتم وبلغكم'وانيّ اريد ان اسئلكم عن اشيا ء فان صداقت فصد قوني وان كذبت فكذبوني.اسموا مقالتي واكتموا قولي ثم ارجعوا الى امصاركم وقبائلكم 'من آمنتموه ووثقتم به فادعوهم الى ما تعلمون فاني اخاف ان يندرس هذا الحق ويذهب 'والله متم نوره ولو كره الكافرون وذكر هم ان قال :انشدكم الله اتعلمون ان على ابن ابى طالب كان اخارسول الله حين آخابين اصحابه فاخابينه وبين نفسه وقال :انت اخيي وانا اخوك فى الدنيا والاخرة ؟قالو :اللهم نعم ' قال :انشدكم الله هل تعلمون ان رسول الله اشترى موضع مسجده ومنازله فابتناه ثم بتنافيه عشرة منازل تسعة له وجعل عاشرهافيي وسطهالا بى ؟ثم سد كل باب شارع الى المسجد غير بابه فتكلم في ذلك من تكلم فقال :ما انا بسددت وفتحت ولكن الله امرنى بسد ابوابكم وفتح بابه 'ثم نهى الناس ان ينام فى المسجد غيره وكان يجنب فى المسجد ومنزله فى منزل رسول الله فولدلرسول الله فيه اولاد ؟ قالو : اللهم نعم 'قال :افتعلمون ان عمر بن الخطاب حرص على كوة قدر هينة يدفهامن منزله الى المسجد فابى عليه ثم خطب فقال :ان الله امرنى ان ابنى مسجداً طاهر اً لا يسكنه غيرى وغيراخى وابنيه ؟ قالو:اللهم نعم قال:انشد كم الله اتعلمون ان رسول الله قال نعبه يوم غديرخم فنادى له بالولاية وقال فليبلغ الشاهد الغائب؟ قالو :اللهم نعم قال:انشدكم الله اتعلمون ان رسول الله قال له فى غزوة تبوك :انت منى بمنزلة هرون من موسى وانت ولى كل مومن ومومنةٍ؟ قالوا: اللهم نعم 'قال:انشدكم الله اتعلمون ان رسول الله حين دعا النصارى من اهل نجران الى المباهلة لم يات الابى وبصاحبة وابنيه ؟ قالو : اللهم نعم قا ل : انشدكم الله اتعلمون انه دفع اليه الله يوم خيبر ثم قال :لا دفعها الى رجل يحبه الله روسوله كرار غير فرار يفتحها الله على يديد؟ قالو: اللهم نعم قال :اتعلمون ان رسول الله بعثه ببرائته وقال :لا يبلغ عنى الا اناورجل منى ؟قالو :اللهم نعم'قال:اتعلمون ان رسول الله لم ينزل به شديدة قط الا قدمه لها ثقة به ولم يدعه باسمه قط الا بقول :يااخى ' وادعو الى اخيى :قالو:اللهم نعم قال :

اتـعـلمون ان رسول الله قضی بینه وبین جعفر وزید فقال: یا علی انت منی و انا منک و انت ولی کـل مومن بعدی ؟قالو اللهم نعم قال اتعلمون انه کان له من رسول الله یوم خلوة و کل لیلة دخلة اذا اسـالـه اعطاه و اذ سکت ابتداه؟ قالو :اللهم نعم ٗقال :اتعلمون ان رسول الله فضله علی جعفر وحـمـزة حین قال لفاطمة زوجک خیر اهل بیتی اقدمهم سلماً وا عظمهم حلما.واکبرهم علماً ؟قـالـوا:الـلهـم نـعـم ٗقـال:اتـعلمون ان رسول الله قال :انا سید ولد آدم واخی علی.سید العرب وفـاطمة سیدة نسا ء اهل الجنته والحسن والحسین ابنای سیداشباب اهل الجنة ؟قالو :اللهم نعم قـال :التـعـلمون ان رسول الله امر ہ بغسله واخبره ان جبرئیل یعینه ؟ قالو:اللهم نعم ٗقال اتعلمون ان رسـول الـلـه قـال : فـی آفـر خـطبة خطبها :انی قدترکت فیکم الثقلین کتاب الله و اهل بیتی فتـمسـکـو ابهمالن تضلوا؟ قالوا: اللهم نعم ٗقال :لانه منی و انا منه من احبه فقد احبنیی و ن ابغضه فـقـد ابغض الله.وماشبه کلامه فی هذا المقام بما احتج به یوم عاشورا علی اهل الکوفة امور یوم السادس من المحرم علی ماروی سید ابن طاووس .....الخ [۱۳]

پروردگار عالم کی بے حد و بے حساب توصیف وستائش اور اپنے جد بزرگوار جناب محمد مصطفیٰ ؐ پر درود وسلام کے بعد ارشاد فرمایا: امابعد اے جماعت مسلمین! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس ظالم وسرکش یعنی معاویہ نے ہمارے ساتھ اور ہمارے شیعوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہے ۔آپ لوگ دیکھ اور سن چکے ہیں اور اس کے جرائم کے شاہد وناظر ہیں ۔جان لو کہ میں تم سے گواہی چاہتا ہوں' اگر میں سچ کہوں تو گواہی دینا اور اگر جھوٹ کہوں تو میری تکذیب کرنا ۔اے لوگو! میری باتوں کو سنو ۔میرے الفاظ پر غور کرؤان حقائق کو ملحوظ خاطر رکھو حتیٰ کہ اپنے شہروں اور گھروں میں پہنچو۔ یہ باتیں اپنے قبائل واعزا سے بیان کرو اور اگر وہ باایمان لوگ ہیں تو ان کو گواہ بناؤ اگر میری یہ باتیں تمہیں پختہ وصحیح معلوم ہوتی ہیں تو اپنے ادراک واحساس میں اپنے افراد کو شریک کرواے لوگو! مجھے خوف ہے کہ یہ دین وشریعت قطعا فرسودہ ہوتے جارہے ہیں' احکام دین پارہ پارہ ہورہے ہیں باوجودیکہ خداوند عالم دین کا محافظ' نور ہدایت کی روشنی ارسال کرنے والا ہے' اگرچہ یہ بات کافروں کو ناگوار ہی گزرے ۔اے لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں' کیا تم جانتے ہو کہ جس دن رسول خدا ﷺ نے لوگوں کے درمیان عقد اخوت قائم فرمایا تھا تو جناب علی -کو اپنا بھائی

قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اے علیؑ تو میرا اور میں تیرا بھائی ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی لوگوں نے جواب دیا: خدا کی قسم ہم جانتے ہیں کہ آپ سچ فرما رہے ہیں۔ پھر فرمایا: تمہیں خدا کی قسم ہے! کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول خدا ﷺ نے مسجد خرید فرمائی اپنا گھر بنایا تو اپنے اس گھر میں دس کمرے بنائے اور سب کمروں کے دروازے مسجد کی طرف سے بند فرمائے دیئے سوائے علی - کے کمرہ کے اور فرمایا کہ میرے والد محترم علی کے سوا کوئی شخص مسجد میں سونے نہ پائے؟ کیا تم جانتے ہو کہ میرے دادا کی اولاد زیادہ تھی ان میں سے رسول اکرم ﷺ نے فاطمہ کو چن لیا اور میری ماں کے لیے الفاظ سفارش فرمائے؟ لوگوں نے جواب دیا: واقعی ایسا ہی ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ جب مدینہ میں مسجد کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت عمر بن خطاب نے درخواست کی کہ انہیں مسجد میں اپنے گھر کا ایک روشن دان رکھنے کی اجازت دے دی جائے لیکن رسول اکرمؐ راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ مسجد پاک و پاکیزہ مقام ہے اس میں میرے بھائی علیؑ کے سوا کسی کو شب باشی کی اجازت نہیں۔ لوگوں نے کہا: خدا کی قسم! آپ درست فرماتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تمہیں خدا کی قسم! کیا تمہیں یاد ہے کہ غدیر خم کے دن میرے نانا رسول اکرم ﷺ نے علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کو منبر پر اپنے ہاتھوں میں بلند کر کے فرمایا تھا کہ حاضرین ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں کہ یہ علی ولی ہے اور مسلمانوں کی جانوں کے سلسلہ میں اولیٰ بہ تصرف ہے (یعنی ان کی جانوں پر تصرف رکھنے کے لیے سب سے بلند ہے)؟ لوگوں نے جواب دیا: خدا کی قسم! آپ درست فرماتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: تمہیں خدا کی قسم! کیا تم جانتے ہو کہ غزوہ تبوک میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا کہ اے علیؑ مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی اور باایمان مرد و عورت کا ولی ہے؟ انہوں نے کہا: خدا کی قسم آپ صحیح فرماتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: اے لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں! کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب نجران کے نصرانی مباہلہ کے لیے آئے تھے تو میرے جد بزرگوار نے میرا، میر باپ، میری والدہ اور میرے بھائی کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں مباہلہ کے لیے لے گئے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا: خدا کی قسم! آپ نے سچ فرمایا۔ پھر فرمایا: تمہیں خدا کی قسم! کا تمہیں معلوم ہے کہ خیبر کے دن میرے جد بزرگوار نے پرچم اسلام کو میرے پدر بزرگوار علی مرتضیعلیہ السلام کے ہاتھ میں دے کر فرمایا تھا کہ یہی وہ ہے جس کو اللہ دوست رکھتا

ہے اور یہ خدا اور رسول اکرم ﷺ کو دوست رکھتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اکرمؐ نے سورہ براۃ میرے والد علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو عنایت فرمائی کہ کفار قریش کے سامنے اس کی تلاوت کریں اور فرمایا تھا کہ یا تو خود جا کر ایسا کرو یا اپنے جیسے کسی کو بھیجو؟ لوگوں نے کہا: خدا کی قسم! ہمیں یاد ہے۔ پھر فرمایا: تمہیں خدا کی قسم! کیا تمہیں یاد ہے کہ جب بھی میرے نانا کسی مشکل سے دوچار ہوتے تو علیؑ کو طلب فرماتے اور انہیں اپنا بھائی کہتے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ایسا ہی ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہر روز خلوت میں اور ہر رات کو اپنے اسرار و رموز علیؑ سے بیان فرماتے اور انہیں باب مدینہ علم کے طور پر متعارف کراتے تھے؟

انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہمیں معلوم ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول خدا ﷺ نے میرے بابا علیؑ کو فضیلت میں جعفر و حمزہ پر برتری عنایت فرمائی اور ان کی شادی کے موقعہ پر فرمایا کہ اے فاطمہؑ تیرا شوہر وہ ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا اور وہ علم و فضیلت میں سب سے برتری رکھتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر فرمایا: تمہیں خدا کی قسم! کیا تم جانتے ہو کہ میرے نانا نے فرمایا تھا کہ میں اولاد آدم میں بزرگ ترین شخصیت کا مالک ہوں، میرا بھائی عرب میں بزرگ ترین ہے' فاطمہ' بہشت کی تمام خواتین کی سردار ہیں اور حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اے لوگو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی تجہیز و غسل و کفن و دفن کے موقعہ پر میرے پدر بزرگوار علیؑ ہی نے سب کچھ کیا تھا اور جبرائیل ان کی مدد کر رہے تھے۔ لوگوں نے کہا خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ حضرت نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں کیا فرماتا تھا کہ میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں' ایک قرآن اور دوسری عترت ہے۔ تم میں جو شخص ان سے تمسک کرے گا وہ ہرگز گمراہ نہ ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ سچ فرماتے ہیں! اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ پھر کیوں تم زمانہ کو مجھ پر تنگ کر رہے ہو؟ حضرت نے یہی خطبہ ایک بار پھر روز عاشور کی آخری گھڑیوں میں ارشاد فرمایا۔ فصاحت و بلاغت پر مبنی ایک اور خطبہ نقل کرتے ہیں جو حج کو عمرہ مفردہ میں بدلنے اور مکہ سے کوفہ روانگی کے وقت بیان فرمایا:

"الحمد لله ماشاالله و لا قوة الا بالله و صلى الله على رسوله خط الموت على

ولـد آدم مـخـط الـقـلادة علی جيد الفتاة وما اولهني الی اسلافی اشتياقيعقوب الی يو سف وخيـر لی مصرع انا لاقيه كانی باوصالی تتقطعها عسلان الفلواب بين النواويس وكربلافيملان منی اكراشا جوفا واجربةسغبا. لا محيص عن يوم خط بالقلم رضی الله رضـانـا اهـل البيـت نـصبـر عـلـی بلائه ويوفينا اجر الصابرين .لن تشذ عن رسول الله لـحـمتـه وهـی مـجـموعة له فی حظيرة القدس تقر بهم عينه وينجز بهم وعده من كان بـاذلا فيـنـامهـجته وموطنا علی لقا ء الله نفسه فلير حل معنا فانی راحل مصبحا انشا ء الله تعالیٰ". ۱۴

ساری تعریفیں اللہ سے مخصوص ہیں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے طاقت صرف خدا ہی کی ہے اللہ اپنے رسول پر رحمت نازل فرما موت اولا دآدم کے لیے ایسی ہے جیسے لڑکی کے گلے میں گلوبند، بندھا ہے میں اپنے بزرگوں سے ملاقات کی ایسی ہی آرزو رکھتا ہوں جیسی یعقوب کو یوسف کے دیدار کی آرزو تھی میری قتل گاہ اور مدفن پہلے منتخب ہو چکا ہے مجھے وہاں پہونچنا ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ سرزمین کربلا پر بیابان کے درندے میرے جوڑ و بند کو ایک دوسرے سے جدا کر رہے ہیں اور اپنا پیٹ بھر رہے ہیں اور نوشتہ تقدیر سے فرار نہیں کر سکتا ہم اہل بیت رسول راضی بہ رضائے خدا ہیں۔ ہم اس کے امتحان و آزمائش پر صبر کرتے ہیں اور وہ ہمیں صابروں کا اجر عطا کرتا ہے رسول خدا کے رشتہ دار ان سے ہرگز جدا نہ ہوں گے اور بہشت میں ان کے ساتھ ہوں گے انہیں دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور ان کے ذریعے اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا جو ہماری راہ میں قربان ہونا چاہتا ہے اور خود کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے آمادہ پاتا ہے وہ ہمارے ساتھ آئے انشا اللہ میں کل روانہ ہو جاؤں گا۔ آخر میں ضروری ہے کہ ہم امام حسینؑ کے بے نظیر فصاحت و بلاغت کے ثبوت کے لیے آپ کا وہ خطبہ بھی نقل کریں جو آپؑ نے روز عاشورہ جنگ کے آغاز میں دشمن کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"تبـا لـكـم ايتهـا الـجماعة وترحا ،احين استصر ختمونا والهين فاصرخناكم مـوجـفيـن سـللتم علينا سيفا كان فی ايماننا وحششتم علينا نارا اقتدحناها علی عدونا وعـدوكـم فـاصبـحتم البالفاعلی اوليائكم ويدً الا عد ائكم بغير عدل افشوه فيكم ولا

لامـل اصبـح لكم فيهم وعن غير حدث كان منا ولا راى تفيلعنا فهلا .لكم الويلات تر كتـمـونـا والسيف مشيـم والـجـاش طـامـن والـراى لـم يستحصف ولكن استسرعتم اليهـاكتـطـايـر الـدبـى وتـداعيتـم لها كتداعى الفراش .فسحقا وبعدا لطوغيت الامة وشـذاذ الاحـزب ونبـذة الـكتـاب ونـفثةالشيـطـان ومـحـرفى الكلام ومطفئِي السنن ومـلـحـقـى العهرة بالنسبالمستهزئين الذين جعلو القرآن عضين والله انه لخدل فيكم مـعـروف قـد وشـجـت عـليه عروقكم وتوارت عليه اصولكم فكنتم اخبث ثمرة شجا لـلناظر واكلة للغاصب الا فلعنةُ الله على الناكثين الذين ينقضون الايمان بعد توكيدها وقـد جـعـلوا الله عليهم كفيلا الا وان الدعى ابن الدعى قدر كزمنا بين اثنتين بين املة .السـلـة .والـذلة وهيهات منا الدنيئة .الذلة بیٰ ذلک الله ورسوله والمومنون وحجور طـابت وانوف حمية ونفوس ابية ان نوثر طاعة اللئام على مصارع الكرام وانى زاحف اليهم بهذه الاسرة على كلب العدو.قلة العدد .وكثرة وخذلة الناصر ''. ۱۵؎ پھرآپ نے یہ اشعار پڑھے:

فان نهزم فهزامون قدما　　　وان نهزم فغير مهزمينا

وما ان طبنا جبن ولكن　　　منا يا نا ودولة اخرينا

الا ثم لا تلبثون بعدها الا كريت ما يركب الفرس حتى تدوربكم الرّحى عهد عهدة الى ابى عن جدى فاجمو امركم وشركم ء كم ثم كيدونى جميعا فـلا تـنـظـرون (انـى تـوكـلـت على الله ربى وربكم مامن دابة الا هو اخذ بنا صيتها ان ربى على صراط مستقيم) ۱۶؎

''الـلهم احبس عنهم قطر السماء وابعث عليهم سنين كسنيى يوسف وسلط عـليهـم غـلام ثـقيف يسـقيهـم كـاسـا مـصبرةولا يد ع فيها احدا الا قتله بقتله وضربة بـضـربةوينتقم لى ولا وليائى واهل بيتى واشياعى منهم فانهم غرونا وكذبونا وخذلونا وانت ربنا عليک توكلنا واليک انبنا واليک المصير''. ۱۷؎

اے گروہ خدا تمہیں ہلاکت ومصیبت میں مبتلا کرے تم نے ہمیں فریادو عاجزی سے پکارا تا کہ ہم تمہاری فریاد کو پہنچیں اور ہم جلدی سے تمہاری فریادرسی کے لیے آگئے تو تم نے وہی تلوار ہمارے اور پر کھینچ لی جو ہم نے تمہارے ہاتھ میں دی تھی اور تم نے وہی آگ ہمارے لیے بھڑکائی جو ہم نے اپنے اور تمہارے دشمنوں کے لیے روشن کی تھی اپنے دوستوں سے جنگ اور اپنے دشمنوں کی نصرت کے لیے کھڑے ہو گئے ہو اگر چہ نہ وہ تمہارے درمیان انصاف کرتے ہیں اور نہ تم ان سے کسی بھلائی کی توقع رکھتے ہو اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ ہم سے ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہوئی کہ جس کی پاداش میں ہم سے ایسی دشمنی کی جائے۔ اور ہم پر حملہ کیا جائے، خدا تمہیں سمجھے ہمیں اس وقت کیوں پریشان کیا جب تلواریں غلاف میں تھیں اور دلوں کو سکون تھا مکھیوں کی مانند فتنہ کی طرف اڑے اور پروانوں کی طرح ایک دوسرے کی جان کی فکر میں پڑ گئے کنیز کی اولا دو، گروہوں کے پسماندگان کتاب خدا سے منہ پھیرنے والو خدا کی آیات تحریف کرنے والو، سنت رسولؐ کو فراموش کرنے والو، انبیا کی اولا داور ان کے اوصیائے کی عترت کو تہ تیغ کرنے والو، مجہول النسب کو صاحبان نسب سے ملحق کرنے والو مومنوں کو آزار پہنچانے والو اور قرآن کو پارہ پارہ کرنے والوں کفار کا ڈھنڈورا پیٹے والو خدا تمہیں غارت کرے خدا کی قسم بیوفائی اور پیمان شکنی تمہاری عادت ہے تمہارا خمیرہ مکر و بیوفائی سے آمیختہ ہے اس کے مطابق تمہاری پرورش ہوئی ہے تم بدترین میوہ ہو، اپنے باغبان کے لیے گلے کی ہڈی، راہزنوں اور ناصبوں کے لیے خوش مزہ خدا لعنت کرے ان پیمان شکن لوگوں پر جنہوں نے محکم شدہ میثاقوں کو توڑ دیا تم نے خدا کو اپنا کفیل قرار دیا تھا۔ خدا کی قسم وہ پیمان شکن تم ہی ہو۔ آج عبیداللہ بن زیاد نے مجھے دو چیزوں کا اختیار دیا ہے یا تلوار کھینچنے یا ذلت قبول کرنے کا میں ہرگز ذلت قبول نہیں کروں گا خدا اور اس کا رسولؐ اور مومنین ہرگز ذلت پسند نہیں کرتے ہماری پرورش کرنے والے پاک دامن اور بیدار مغز اور غیرت مند ہیں ہم ہرگز پست وکمین کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس مختصر جماعت کے ساتھ میں تم سے جنگ کروں گا اگر چہ مجھے مددگاروں نے تنہا چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے کچھ اشعار پڑھے کہ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اگر ہم کامیاب ہوتے ہیں تو یہ کوئی بات نہیں ہے ہم تو ایک زمانہ سے کامیاب ہیں اور اگر مغلوب ہوتے ہیں تو بھی ہم مغلوب نہیں ہے ڈرنا ہماری عادت نہیں ہے لیکن دوسروں کی بدولت قتل ہونا ہماری عادت ہے۔ اے کفران پیشہ لوگو! خدا کی قسم

میری شہادت کے کچھ دنوں بعد ہی اتنی ہی دیر کے بعد جتنی دیر میں ایک سوار اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے زمانہ تمہیں چکی کے پاٹوں کی طرح پیس دے گا اور تم کو خوف و ہراس کے دریا میں ڈبو دے گا یہ وعدہ میرے والد نے میرے جد کی طرف سے مجھ سے کیا ہے تم اپنی اور اپنے ساتھیوں کی رائے کے بارے میں ایک بار پھر غور کرو تا کہ تم زمانہ کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہ سکو میں نے تو اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا ہے میں جانتا ہوں کہ خدا کی قدرت بالغہ کے بغیر روئے زمین پر کسی چیز کو حرکت نہیں ہوتی۔اے اللہ اس قوم کو آسمان کی بارش سے محروم کر دے انہیں قحط میں مبتلا کر دے اور ان پر ثقفی کے غلام کو مسلط کر دے وہ انہیں زہر کے جام پلائے میرا میرے اہل بیت، میرے اصحاب اور میرے شیعوں کا ان سے انتقام لے کہ انہوں نے ہمیں جھٹلایا اور ہمیں بے یارو مددگار چھوڑ دیا تو ہی ہمارا پروردگار ہے ہم تجھ ہی سے لو لگائے ہیں تجھ پر ہی توکل کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی سخاوت

انسان کی عمدہ ترین صفات میں جودو کرم اور بخش و سخاوت شامل ہیں۔ ہمارے تمام آئمہ ؑ میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ یہ ہستیاں دنیا اور اس کیکیفیات کو حقارت کی نظر سے دیکھتیں۔ جو کچھ ان کے پاس ہوتا تھا۔ اسے لوگوں کی ہدایت، ضعیفوں کی، دستگری، فقراء مظلوم اور بدحال افراد کی حمایت میں خرچ کر دیتیں تھیں۔ شیخ کمال الدین بن طلحہ شافعی کے بیان کے مطابق امام حسین علیہ السلام کی سخاوت اور بخشش کی تمام عالم اسلام میں اس قدر دھوم تھی کہ دور دور سے لوگ آپ کی تلاش میں آتے اور مدینے کے باشندے بالاتفاق انہیں امام حسین علیہ السلام کے دولت کدہ کی طرف راہنمائی کرتے وہ لکھتے ہیں:

"انـه کان یکرم الضیف ولمنع الطالب ویصل الرحم وینیل الفقراء وسیعف السائل ویکسو العریان ویشبع الجوعان ویعطی انعارم ویشد من الضعیف ویشفق علی الیتیم ویعین ذالحاجة وقل ان وصله مال الا فرقه". ۱۸

وہ مہمان کی عزت کرتے تھے، کسی سائل کو مایوس نہیں کرتے تھے۔ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتے، غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ حاجت مندوں کے پاس جا کر ان کی حاجت روائی فرماتے، برہنہ لوگوں کو لباس عطا کرتے، بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے، مقروضوں کے

قرض ادا فرماتے ضعیف لوگوں کو سہارا دیتے ،یتیموں کے دوست اور مشفق ہوتے محتاجوں کی ضمانت اور امداد کا انتظام کرتے اور جب بھی ان کے پاس کوئی مال پہنچتا تو وہ اسے تقسیم کر دیتے تھے۔ابن عساکر ابن ہشام قتادہ سے روایت کرتا ہے کہ بصرہ سے امام حسین- کی خدمت میں بہت سا مال لایا گیا جب تک آپ نے وہ مال نے تقسیم نہیں کر دیا آپ نے اپنی جگہ سے نہیں اٹھے اس سے آپ کی عظیم بخشش اور سخاوت کا پتہ چلتا ہے۔19

حکما کا قول ہے کہ ''کریم شجاع القلب ہوتا ہے اور بخیل ضعیف النفس''امام حسین- کی سخاوت آپ کی شجاعت سے براہ راست متناسب تھی آپ بادل کی طرح برستے تھے،فرق یہ تھا کہ بادل تو برستے ہو ئے لزرتا ہیجب کہ امام حسین ایک باوقار و مستحکم پہاڑ کی طرح مستقل طور پر بخشش فرماتے۔سمندر جوش میں آ کر زور شور سے موتی باہر نکالتا ہے لیکن امام حسین -کمال سکون اور حلم کے ساتھ عطا فرماتے تھے۔ابن صباغ لکھتے ہیں :۔معاویہ مکہ آیا،اس نے بہت سارا مال امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا جس میں درہم و دینار اور لباس فاخرہ وغیرہ شامل تھے آپؑ نے وہ تمام مال اور اشیاء مستحقین اور فقراء میں تقسیم کر دیں۔20

امام بخاری نے صحیح میں ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں امام حسینعلیہ السلام کی سخاوت کے بارے میں لکھتے ہیں :اسامہ بن زید نے اپنے غلام حرملہ کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس مدد کے حصول کے لیے بھیجا حضرت علی علیہ السلام جو ایک مقررہ حد سے زیادہ بیت المال کسی کو نہیں دیتے تھے اسے کچھ نہ بھیجا جب امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے یہ سنا تو انہوں نے نقد رقم ۔لباس اور مال جس قدر حرملہ کا اونٹ اٹھا سکتا تھا۔اسے ارسال کر دیا۔21

حوالہ جات

۱۔ابن صباغ مالکی،فصول المہمہ ،ص۱۵۳،تفسیر علی ابن ابراہیم اور تفسیر صافی میں سورہ احقاف کی آیت ۱۵ کی تفسیر میں۔

۲۔اصول کافی، ج،۱،ص۲۱۸، ح،۳، دارالاضواء بیروت ۱۹۸۵ء

۳۔ابن قیم جوزی،طرق الحکمۃ

۴۔صحیح مسلم، ج۱،ص

۵۔القرآن،سورہ لقمان،۱۵

۶۔بحارالانور: ج۴۳،ص۲۹۷، ح۵۹

۷۔بحارالانور: ج۴۳،ص۲۹۷، ح۵۹

۸۔فوق بلگرامی،سیداولادحیدر، ذبح عظیم،ص۳۵۸،مکتبہ رضویہ، لاہور

۹۔فوق بلگرامی،سیداولاحیدر، ذبح عظیم،ص۳۵۳،مکتبہ رضویہ، لاہور

۱۰۔طبرسی،احمد بن ابی طالب،الاحتجاج، ج،۲،ص۱۰۱

قرشی، باقر شریف، حیاۃ الامام حسینؑ، ج،۳،ص،۲۷۴،مکتبہ الداوری،قم

۱۱۔شافعی،کمال الدین بن طلحہ،مطالب السؤال فی مناقب آل رسول،ص۱۴۔

۱۲۔فصول المہمہ ،ص۱۵۴،امین الاسلام طبرسی،احمد بن علی ابی طالب،الاحتجاج، ج،۲،ص۲۳،۲۲۔المطبعۃ المرتضویہ نجف

۱۳۔مجلسی،محمد باقر،بحارالانوار، ج،۱۰،موسئسہ الوفاء، بیروت،طبرسی،احمد بن علی بن ابی طالب،الاحتجاج ،ص،۱۶۱،المطبعہ المرتضویہ۔نجف

۱۴۔ابن طاوٴس،علی بن موسی بن جعفراللھوف فی قتلی الطفوف،ص۳۳،المطبعۃ الحیدریہ،نجف ابن نما حلی،مشیرالاحزان،ص۲۰،منشورات مدرسۃ الامام المہدی،قم

۱۵۔الحرانی،ابومحمد الحسن بن علی بن حسین بن شعبہ،تحف العقول،ص،۲۴۰،جامعہ المدرسین،قم،الاحتجاج

،ج ۲،ص،۹۹

۱۶۔القرآن۔سورہ ہود،۵٦

۱۷۔بحارالانوار،ج،۴۵،ص۹

۱۸۔علی جدل مصری،الحسین،ج،۱،ص۱۰۷،شافعی کمال الدین بن طلحہ،مطالب السؤال فی مناقب آل رسول:ص۱۲

۱۹۔ابن عساکر،ابوالقاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ شافعی،تاریخ ابن عساکر(ترجمہ الامام الحسینؑ)ج ۴،ص۳۱۲،مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیہ۔قم

۲۰۔ابن صباغ۔المالکی،فصول المہمہ،ص۱۸۴

۲۱۔صحیح بخاری فتح الباری،ج۳،ص۵۹۔۵۸

ضلع اسلام آباد کے شیعہ دینی مدارس کے صاحبان تصانیف اساتذہ

سید حسین عارف نقوی۔اسلام آباد
مئولف، محقق، کتاب شناس، تذکرہ نویس

ذیل کی سطور میں ان اساتذہ کا تذکرہ ہے جو ضلع اسلام آباد کے شیعہ دینی مدارس میں علوم آل محمد علیہم السلام کو عام کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔اور اس کے ساتھ ہی تصنیف وتالیف کی طرف بھی متوجہ ہیں یقین کامل ہے کہ اپنے شاگردوں کی بھی اس میدان میں تربیت دے رہے ہوں گے۔تحقیقی کام کے سلسلے میں مشکلات ضرور ہیں مگر ان دشواریوں کو عبور کرنا اہل علم ہی کا کام ہے معلومہ حد تک اس مضمون میں متعلقہ موضوع کے اساتذہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ان اساتذہ میں دو استاذ الاساتذہ یعنی مولانا شیخ محسن علی نجفی مد ظلھم مہتمم جامعۃ اہل بیت و جامعۃ الکوثر اور مولانا شیخ محمد شفاء نجفی مدظلھم کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ان دونوں کا تذکرہ میری دونوں کتابوں یعنی تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان اور تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان (شمالی علاقہ جات) میں آچکا ہے تفصیل کے لیے دیکھئے۔

ا۔تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان مطبوعہ اسلام آباد،۱۹۸۴ء ص ۶۸۔۲۶۶

۲۔تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان (شمالی علاقہ جات) مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۴ء ص ۲۶۔۱۲۵۔ص ۴۸۔۱۴۷

البتہ مولانا شیخ محسن علی نجفی کی ان تذکروں کی اشاعت کے بعد دیگر چھپنے والی کتابیں یہ ہیں۔

ا۔بلاغ القرآن: ترجمہ وحاشیہ قرآن،اشاعت ششم۔۲۰۰۷ء صفحات ۱۰۱۷

۲۔الکوثر فی تفسیر القرآن جلد اول۔۲۰۰۴۔صفحات ۳۳۷۔جلد دوم۔۲۰۰۵ء صفحات ۵۵۶۔

۳۔تدوین وتحفظ قرآن،۲۰۰۱ء مطبوعہ کراچی،۸۶ صفحات

ا۔مولانا ملک آفتاب حسین قمی:

مولانا آفتاب حسین جوادی تلہ گنگ کے مضافات میں ایک قصبے 'بھر پور' تحصیل وضلع چکوال میں یکم مارچ 1966 کوایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے اعوان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اوران کا سلسلہ نسب حضرت عباس علمدار بن علی ابن ابی طالب- سے جا ملتا ہے ان کا خاندان کئی پشتوں سے علم وفضل میں مشہور ہے سکول تک ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں بھر پور میں حاصل کی قرآن مجید گاؤں کے ایک مولوی صاحب سے پڑھا۔دوران تعلیم دیگر طلباء سے مذہبی مباحثے میں مشغول رہتے۔ان کے گاؤں کا سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ ہمیشہ سے تحقیق طلب رہا جب کہ آپ بھی تحقیق کے لیے کوشاں رہے۔بنابریں یہیں سے دینی کتب کے مطالعہ کا شوق جنونیت کی حدتک دامن گیر ہوا اس سلسلہ میں بہت سی قدیم کتب خریدیں ۔یہ شوق انہیں کشاں کشاں علمی مراکز میں لے گیا۔بالآخر 2 جون 1982 کومکتب تشیع کی قدیمی درس گاہ دارالعلوم محمد یہ سرگودھا میں داخلہ لے لیا اور وہاں مندرجہ ذیل اساتذہ سے اخذ فیض کیا۔

ا۔مولانا نصیر حسین نجفی ۲۔مولانا سید اعجاز حسین کاظمی ۳۔مولانا نذر حسین ظفر ۴۔مولانا منور حسین لکھنوی۔ ۵۔مولانا محمد سبطین۔ ۶۔مولانا غلام حیدر۔ ۷۔حافظ عنایت حسین۔ان اساتذہ نے صرف بہائی ابواب الصرف،روضۃ الادب علم الصیغہ پنج گنج ہدایۃ النحو ،تیسیر المنطق ,مرقات شرح تہذیب کافیہ،تبصرہ علامہ حلیؒ شرائع الاسلام،لمعہ جلدین،جامع الاخبار،تفسیر بیضاوی،متنبّی،حماسہ۔دیوان علیؑ۔مقامات حریری،العبرات،وغیرہ کتب درسا پڑھیں۔1986 میں سلطان الافاضل کا امتحان پاس کیا اور سند فراغت حاصل کی اسی سال فاضل عربی کا امتحان راولپنڈی بورڈ میں دیا اور سند حاصل کی۔بعدازاں پنجاب یونیورسٹی سے بھی سند حاصل کی۔بالآخر 1988ء میں مزید حصول تعلیم کے لیے حوزہ علمیہ قم المشرفہ ایران کی طرف رخت سفر باندھا اور وہاں مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔فقہ واصول فقہ،منطق وفلسفہ،علم الرجال وغیرہ مروجہ علوم حاصل کیے اساتذہ میں سے چند کے نام یہ ہیں ۔ا۔آقای اعتمادی ۲۔آقای فخر وجدانی ۳۔آقای عباس علی براتی ۴۔آیت ا۔علی محمدی خراسانی ۵۔آیت ا۔۔۔شیخ جعفر سبحانی۔۶۔آیت ا۔۔۔وحید خراسانی ودیگر اساتذہ۔

1994 میں بحیثیت مدرس اعزام ہوکر جھنگ گئے۔ایک سال ک لیے مدرسہ ولی العصر اڈا

شیخن جھنگ میں بحیثیت پرنسپل تعین ہوئے ۔ یہاں آپ نے مدرسے کو بھی چلایا اور مختلف دیہاتوں میں جا کر بہت سے اہل سنت کو مذہب شیعہ سے روشناس کرایا جس کے انتہائی ثمر آور نتائج حاصل ہوئے ۔ سپاہ صحابہ کے شناختی جھنڈے پر یہ حدیث تحریر کی ہوئی تھی 'اصحابی کا لنجوم بایھم اقتدیتم ' (مرے تمام صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتدا و پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے) تقریباً 1985 کا واقعہ ہے جب جوادی صاحب دار العلوم محمدیہ سرگودھا میں زیر تعلیم تھے آپ نے اس جھنڈے پر لکھی ہوئی یہ حدیث دیکھی تو اس وقت سے ان کے دل میں یہ آرزو کروٹیں لے رہی تھی کہ اس حدیث پر ضرور ایک تحقیقی تبصرہ احاطہ تحریر میں لایا جائے ۔ بحمد اللہ یہ آرزو حوزہ علمیہ قم المشرفہ میں پوری ہوئی 1993ء میں اس حدیث پر ایک علمی مقالہ تیار کر لیا جب تعطیلات میں ایران سے پاکستان آئے تو جولائی 1993ء کو یہ مقالہ ایک کتابی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا جو 65 صفحات پر مشتمل ہے سب سے پہلی ان کی تصنیف 'حدیث اصحابی کا تحقیقی جائزہ' کے نام سے شائع ہوئی ۔ یہ کتاب سپاہ صحابہ کے مراکز میں تقسیم کی گئی جس کے عمدہ نتائج برآمد ہوئے اس کے بعد علامہ سید ساجد علی نقوی مدظلہ العالی کے حکم سے آپ نے علمی تحقیقی کام کے لیے ایک ادارہ تشکیل دیا جسے ''مرکز مطالعات اسلامی'' کے نام سے موسوم کیا گیا ، مرکز مطالعات اسلامی نے اپنے قیام کے فوراً بعد ہی تحریری میدان میں گرانقدر خدمات سرانجام دینے کا سلسلہ شروع کیا۔
مولانا آفتاب حسین جوادی کی تالیفات میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ ناموس صحابہ بل کا علمی جائزہ (شیعہ دشمن تنظیم کی طرف سے اسمبلی میں پیش کئے جانے والا بل کا رد بلیغ)

۲۔ حضرت عمر کا یوم وفات (اس علمی تحقیق کو سابق صدر پاکستان فاروق احمد لغاری نے تسلیم کرتے ہوئے اپنے ارسال کردہ خط میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے بعد ازاں اسی موقف کے نتیجے میں پنجاب یکم محرم الحرام کو ہونے والی تعطیل منسوخ کردی گئی)

۳۔ جمیل الرحمٰن کی غیر شرعی جسارت (آزاد کشمیر کے جمیل نامی مولوی نے مکتب اہل بیتؑ کے خلاف زہر اگلا تھا اس کا دندان شکن جواب ہے)

۴۔ صلح امام حسنؑ کے علل واسباب ۔ ۵۔ اسماء اہل بیت کے ساتھ ' علیہ السلام' کہنے کا شرعی جواز ۔ ۶۔ معاویہ بن یزید کا تاریخ ساز خطبہ ۔ ۷۔ تحریف قرآن کا باطل نظریہ ۔ ۸۔ تحقیقی دستاویز ۔ (۱۲۱۴ صفحات پر

مشتمل ہے اس میں قابل اعتراض مواد جمع کیا گیا ہے اور شیعہ موقف کو ثابت کیا گیا ہے۔
۹۔توہین صحابہ:۔مجرم کون؟۔۱۰۔اہل تشیع پر اعتراضات کا علمی جائزہ۔۱۱۔فضیلت علی المرتضیٰؑ بعد از سید الانبیاؐ۔۱۲۔گنج ہائے گرانمایہ ترجمہ وصیت نامہ علامہ حلیؒ۔۱۳۔اسیف البارق فی ردخطبات اعظم طارق۔۱۴۔پانچ تکبیر نماز جنازہ کی شرعی حیثیت۔۱۵مدلل جوابات،(بالاکوٹ کے مولوی رشید احمد کے شیعہ کے خلاف ۱۸عدد سوالات کے جوابات)۱۶۔شہادت ثالثہ در تشہد کے متعلق فیصلہ(نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ کا عدم جواز اور اس سلسلہ میں اٹھائے گئے مغالطات کا رد بلیغ)۱۷۔خطبہ فدک کی اسنادی حیثیت

ان تالیفات کے علاوہ مختلف قومی مجلوں،اخبارات وجرائد وغیرہ میں آنے والے دل آزار دشمنان اسلام کی تحریروں کا فوری علمی جواب مولانا کے تحقیقی قلم سے دیا جاتا ہے اب تک ان کے متعدد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔مزید برآں دیگر خدمات کے ساتھ ساتھ گزشتہ دور حکومت میں (نواز شریف کے دور میں) پنجاب حکومت کی طرف سے تشکیل پانے والے متحدہ بورڈ (جو دل آزار کتب پر پابندی لگانے کے لیے بنایا گیا تھا) میں بھی بحیثیت ممبر شریک رہے اور ملت جعفریہ کی نمائندگی کا شرف حاصل کیا اس بورڈ میں تمام مکاتب فکر (بریلوی دیوبندی شیعہ اور اہل حدیث) کے جید علماء کرام شامل تھے۔آپ نے اپنی جستجو اور دیگر ممبران کے تعاون اور عملی کاوش سے دشمنان تشیع کی توہین اہل بیتؑ پر مبنی چالیس عدد کتب پر پابندی لگوائی نیز سپریم کورٹ آف پاکستان میں تحریک جعفریہ پاکستان کی طرف مذہب اہل بیت کے دفاع تحفظ کے لیے پیش کئے جانے والے موقف میں مرکز مطالعات اسلامی کی خدمات پورے طور پر نمایاں رہیں۔مطالعاتی زندگی کے بہت سے نشیب وفراز سے گزرے ۔ابتداء ہی سے کتب بینی نے جنونیت کی حد تک پہنچا دیا تھا۔اسی تسلسل کے ساتھ سترہویں اٹھارویں عیسوی کی مطبوعہ وخطی نادر و نایاب قدیم کتب کی جمع آوری کا سلسلہ جاری رکھا اس سلسلہ میں ملک بھر بالخصوص صوبہ سرحد (پشاور،مردان وہزارہ) اور صوبہ پنجاب کے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ کے فضلا اور نامور شخصیات کے ذاتی کتب خانے بیش بہا قیمت سے خریدے۔اب الحمدللہ ان کے پاس عظیم اور نادر کتب پر مشتمل ذاتی کتب خانہ موجود ہے۔جس سے بہت سے علماء کرام سکالرز اور محققین استفادہ کرتے ہیں۔ان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی فارغ نہیں ہے اس وقت بھی علم وتحقیق اور تدریس کے مشاغل میں منہمک ہیں۔

۲۔مولانا جعفر علی میر:

ولدیت: محمد رمضان ولادت: ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۷ء

مولانا کالا گوجراں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے ۱۹۸۳ء میں میٹرک کیا ۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۷ء جامعۃ اہل بیت اسلام آباد میں تعلیم حاصل کی جہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا واجد علی، مولانا محسن علی نجفی، مولانا شیخ محمد شفاء اور مولانا سید نثار حیدر مرحوم تھے ۱۹۸۸ء میں مدرسہ آیۃ اللہ الحکیم راولپنڈی میں داخلہ لیا جہاں ڈیڑھ سال تک رہے مولانا سید ساجد علی نجفی و مولانا سید شیر علی شاہ (م ۲۰۰۰ء) سے علوم اہل بیت حاصل کئے۔اس کے بعد قم چلے گئے جہاں ۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۰ء تک رہے جہاں آپ کے اساتذہ میں شیخ شفیع دارابی ،شیخ محسن فقیہی، شیخ حسینی خراسانی، آیۃ اللہ جوادی عاملی اور سید جواد نقوی شامل تھے۔

تراجم وتصانیف:

۱۔وہابیت۔تاریخ، پیدائش وحقائق (ترجمہ)

۲۔ترجمہ منہاج الکرامۃ از علامہ حلی، ترجمہ معالم الفلسفۃ الاسلامی از جواز مغنیہ

۳۔اہلبیتؑ سے مربوط تاریخی اور روائی حقائق میں تحریف

۴۔علل انحطاط مسلمین

مولانا آج کا جامعۃ الحجتؑ سترہ میل۔اسلام آباد میں علوم اہل بیت کو عام کر رہے ہیں۔

۳۔مولانا سید حسنین عباس گردیزی قمی:

ولدیت: سید قاسم علی گردیزی ولادت یکم جنوری ۱۹۶۶ء

مولانا گردیزی چک شیر خان کبیر والا ضلع خانیوال میں پیدا ہوئے۔۱۹۸۱ میں گورنمنٹ ہائی سکول پیراں غائب سے میٹرک کیا گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان سے ۱۹۸۳ء میں F.sc کیا اور ۱۹۸۷ء میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے فرسٹ ڈویژن کے ساتھ B.sc(Hon) کیا ۱۹۸۹ء میں اسی یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں M.sc(Hon) کی سند حاصل کی۔جامعۃ المنتظر لاہور سے سلطان الافاضل کی سند حاصل کی اس سند کے حوالے سے ایم اے (عربی) اور ایم اے (اسلامیات) کی پنجاب

یونیورسٹی سے سند حاصل کی ۔جنوری ۱۹۹۰ء میں قم چلے گئے جہاں تفسیر قرآن ،حدیث فقہ واصول فقہ، عقائد وکلام، تقابل ادیان، علم فلسفہ۔ کے دروس حاصل کیے اوران مضامین میں مرکز جہانی علوم اسلامی حوزہ علمیہ قم سے فرسٹ پوزیشن میں پاس کیا۔ اگست ۱۹۹۹ء میں وطن واپس آئے قم میں آپ کے اساتذہ میں آیت اللہ مکارم شیرازی او رآیت اللہ جعفر سبحانی شامل ہیں ۔بعدا زاں ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۰ ء مدرسہ دارالقرآن ماڑی شاہ سخیرا ضلع جھنگ ۲۰۰۱ء میں جامعۃ الحسنین÷ جھامرہ شریف ضلع چکوال میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے ۔۲۰۰۱ء سے تادم تحریر جامعۃ الرضا بارہ کہو۔اسلام آباد میں تدریسی فرائض سر انجام دے رہے ہیں اور جامعہ کے مہتم بھی ہیں۔اب تک جھنگ، ڈیرہ غازی خان، فجیرہ ،العین، ابوظہبی (عرب امارات)اورڈربن جنوبی افریقہ میں مجالس عزا سے خطاب فرما چکے ہیں۔ بارہ کہو کی شیعہ مسجد میں امام جمعہ وجماعت بھی ہیں مدرسہ کی تعمیر ،نورالہدی ٹرسٹ اور محمد علی فاؤنڈیشن کے موسس بھی ہیں۔مندرجہ ذیل کتب کے ترجمے کیے ہیں۔

۱۔منشور جاوید: استاد جعفر سبحانی مدظلہ فارسی میں لکھی گئی تفسیر موضوعی کا ترجمہ

۲۔معاد: آیت اللہ محمد تقی فلسفی کی کتاب کا فارسی کا ترجمہ

۳۔الصحیح سیرۃ النبی (جلداول ودوم) آیت اللہ جعفر مرتضی عاملی کی کتاب کا عربی سے ترجمہ

۴۔ترجمہ مسئلہ فلسطین تالیف خسروشاہی

۵۔زندگانی حضرت فاطمہ× : ڈاکٹر جعفر شہیدی کی کتاب کا فارسی سے ترجمہ

۷۔نہج الفصاحۃ الحاوی لقصار کلمات رسول اللہ ﷺ عربی سے ترجمہ سہ ماہی المیزان اسلام آباد کے مختلف شماروں میں مندرجہ ذیل مقالات شائع ہو چکے ہیں اعجاز قرآن ،اعجاز قرآن کے مختلف پہلو (۲۔۱) فصاحت وبلاغت قرآن کریم ،قصص قرآن کریم ،قصص قرآن کے مقاصد(۲۔۱) قصہ حضرت موسیٰ اوراس کے نتائج ،قرآن کریم میں امتوں کے عروج وزوال۔الحمدللہ مولانا خطابت تدریس تصنیف و تالیف میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ مزید توفیقات عنایت فرمائے۔

۴۔مولانا محمد حیات انصاری:

ولدیت حافظ محمد عبداللہ   ولادت :۱۹۶۰ء

آپ سالا روا ہن سادات ملتان میں پیدا ہوئے آپ کا گھرانہ ایک علمی گھرانہ ہے۔گورنمنٹ ہائی سکول مانکوٹ سے میٹرک کیا ۱۹۷۷ء میں جامعۃ المنتظر لاہور میں داخلہ لیا جہاں ۱۹۸۳ء تک رہے یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا سید صفدر حسین نجفی (م   مولانا موسیٰ بیگ نجفی مولانا غلام حسین نجفی مرحوم ،مولانا محمد عباس نقوی اور مولانا محمد شفیع نجفی شامل ہیں۔انہی ایام میں محمود بن الماس رقم اور جناب خاور جاوید بٹ سے خط نستعلیق سیکھا آپ نستعلیق نسخ اور ثلث کے ماہر ہیں۔۱۹۸۴ء میں اہلحدیث کی مشہور دینی درسگاہ الجامعۃ المحمدیہ گوجرانوالہ میں داخل ہوئے جہاں اصول حدیث اور حدیث شناسی میں تخصص کیا اس مدرسے میں۔

۱۔حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب سے شرح نخبۃ الفکر ،مشکواۃ المصابیح ،حصہ دوم پڑھیں

۲۔حضرت مولانا محمد رفیق سلفی سے مقدمہ ابن الصلاح مشکواۃ المصابیح جلد اول پڑھیں۔

۳۔مولانا عبدالسلام بھٹوی سے تدریب الراوی اور جامع الترمذی پڑھیں

۴۔مولانا عبدالمنان سے سنن ابی داود اور صحیح مسلم کا سماع کیا۔مولانا عبدالرزاق نے لائبریری کا پورا نظام آپ ہی کے سپرد کیا ہوا تھا۔

۵۔مولانا عبدالحمید ہزاروی سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔جامعہ محمدیہ سے فارغ ہونے کے بعد دو سال تک جامعہ جعفریہ گوجرانوالہ میں حدیث پڑھائی اور طلبہ کو کتابت سکھائی اس مدرسے کی لائبریری کو منظّم و مرتب کیا۔دوارن تدریس تالیفات کا سلسلہ جاری ہے درج ذیل کتب تحریر کر چکے ہیں۔

۱۔المنتخب من الصحاح الستۃ :فضائل اہلبیتؑ اور مذہب شیعہ کی تائید میں وارد شدہ تین سو احادیث ان پر اصول حدیث کی روشنی میں تحقیق و تخریج۔

۲۔احادیث فدک فی کتب الفریقین :صحاح ستہ ،مسانید جوامع ۔سنن و معاجم و کتب احادیث شیعہ کے مصادر سے مسئلہ فدک سے متعلق احادیث و روایات کو جمع کیا۔

۳۔العترۃ والصحابہ فی السنۃ : کتب جوامع و مسانید کتب سنن و معاجم سے ایک ہزار احادیث کو جمع کیا ۔۴۔مسانید صحابہ کے نام سے صحابہ کرام ؓ سے مروی فضائل اہل بیتؑ کے بارے میں احادیث کو کتب

مسانید کو ترتیب پر جمع کیا۔

۵۔حدیث کساء سے متعلق چودہ صحابہ کرامؓ سے مروی روایات مرفوعہ وموقوفہ کو ان کی اسانید ومتون کے ساتھ دوسو پچاس کو مصادر احادیث سے جمع کیا اور ساتھ ہی محدثین وائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کو اس حدیث کو توثیق کے لیے ذکر کیا جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ آیت تطہیر صرف پنجتن پاکؑ کے حق میں نازل ہوئی۔

٦۔الفضائل العددیہ: الخصال شیخ صدوقؒ کی طرز پر فضائل اہل بیتؑ کی روایات کو جمع کیا

۷۔فضائل اہل بیتؑ بالا نید العددیہ: دو ہزار احادیث کو دس ابواب میں جمع کیا۔باب الواحد میں ان احادیث کا بیان ہے جو صرف ایک سند سے مروی ہیں باب الاثنین میں وہ احادیث جن کی دو سندیں ہیں اسی طرح باب العشر ہ تک۔

۸۔سلسلۃ الاحادیث تک المتوتر فی فضائل العتر ۃ الطاہرہ: حدیث غدیر،حدیث ثقلین،**النظر الی وجه علی عبادة ،حديث منزلة وغيرهم**۔

۹۔**قرة الحينين فی احاديث الفريقين** ان احادیث مبارکہ کا مجموعہ جو شیعہ سنی کے مصادر احادیث میں ایک ہی سند ومتن سے مروی ہیں۔

۱۰۔معجم الرجال والحدیث: رواۃ ورجال حدیث سے مروی فضائل اہلبیتؑ کی روایات کو جمع کیا ہے ان تمام رواۃ کی تعداد دو ہزار اور ان سے مروی احادیث کی تعداد پانچ ہزار ہے۔

۱۱۔فضائل اہل بیتؑ میں کتب المسانید: ان احادیث کا مجموعہ جو کتب مسانید (مسند احمد،مسند ابی یعلی مسند ابی داود الطیالسی) مسند البزاز اور دیگر کتب مسانید میں مروی ہیں۔

۱۲۔فضائل اہل بیتؑ **من كتب المعاجم والمستدركات والسنن** ۔مبلغ اعظم مولانا محمد اسماعیلؒ (م ۱۹۷٦ء) کی تمام تصانیف پر تحقیقی تخریج اور تعلیق کا کام۔

۵۔مولانا سید رمیز الحسن موسوی قمی:

ولدیت: سید ذاکر حسین ولادت: ۳۱ دسمبر ۱۹۶۲ء بمطابق ۳ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ

مولانا کی جائے ولادت ایبٹ آباد ہے گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد سے ایف اے کیا ۱۹۸۲ء میں قائد ملت شہید عارف الحسینی (م ۱۹۸۸ء) کی تشویق پر حوزہ علمیہ قم جا کر تعلیم کا آغاز کیا جہاں ابتدائی فنون وعلوم شیخ ساجد سجانی، شیخ افتخار جعفری، شیخ غلام عباس رئیسی، شیخ مجتبی بروجردی نجفی اور دیگر اساتذہ سے حاصل کیے کلام وفلسفہ میں سید جواد نقوی، اسد اللہ بیات، شیخ حیدر ضیائی آملی، کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، سطحیات اور درس خارج فقہ واصول میں آیت اللہ شیخ فخر وجدانی، شیخ محسن فقیہ، شیخ علی محمد خراسانی، سید حسینی بوشہری، علی رضا خراسانی، سید آل غفور جزائری اور آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کے دروس سے اخذ فیض کیا۔ اخلاقی فکری اور سیاسی تربیت میں آیت اللہ سید مہدی روحانیؒ سے اخذ فیض کیا۔ آج کل نور الہدی ٹرسٹ بارہ کہو اسلام آباد کے شعبہ تحقیق وتالیف سے وابستہ ہیں اور مجلّہ نور معرفت کے مدیر ہیں۔ صاحب مطالعہ وصاحب تصانیف ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:۔

۱۔ روشن حقائق (جلد اول) عدم تحریف قرآن ۲۔ روشن حقائق (جلد دوم) تقیہ کی شرعی حیثیت

۳۔ استعمار واستبداد کے خلاف علمائے عراق کی جدوجہد

۴۔ روشن خیالی اور مغرب پرستی ۵۔ شواہد مودت اہل بیت رسولؐ قرآن وسنت کی روشنی میں ۶۔ امام خمینی کے اجتماعی وسیاسی افکار (مجموعہ مقالات)

تراجم

۷۔ تفسیر راہنما جلد ۳۔۵۔۹ از ہاشمی رفسنجانی ۸۔ عدل الٰہی از دیدگاہ امام خمینیؒ ۹۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر از امام خمینیؒ ۱۰۔ معاد از دیدگاہ امام خمینیؒ، ۱۱۔ امام خمینیؒ اور اخلاق وسیاست از سید حسن اسلامی، ۱۲۔ تلخ وشیریں حکایتیں از امام خمینیؒ ۱۳۔ استقامت از آیت اللہ رضا صدر ۱۴۔ نبوت از دیدگاہ امام خمینیؒ۔ ان کے علاوہ ماہنامہ سحر کراچی اور ہفت روزہ 'نوائے اسلام' کراچی میں مقالات چھپتے رہے۔ ایک مجلّہ 'پیام مسجد' کے بھی بانی ہیں۔

۶۔ مولانا سید ریاض حسین صفوی:

ولدیت سید سعادت حسین شاہ　　　　ولادت: یکم مئی ۱۹۶۸ء

مولانا کی جائے ولادت اوکاڑہ ہے ۱۹۸۴ء میں دانش گاہ جعفریہ واہ گریجی ضلع میر پور خاص میں داخلہ لیا جہاں دو سال تک پڑھتے رہے یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا سید ارشاد حسین نقوی مولانا منظور حسین (ممتاز الافاضل) مولانا عباس علی نجفی اور مولانا مہدی شامل ہیں۔۱۹۸۶ء میں قم چلے گئے مدرسہ حجتیہ میں داخلہ لیا وہاں آپ کے حسب ذیل اساتذہ تھے۔

۱۔علی ربانی گلپائیگانی، جعفر سبحانی، محمد علی گرامی اور آیت اللہ جعفر الہادی (عرب)

بعدازاں موسسہ امام صادقؑ میں داخلہ لیا جہاں چار سال میں دورہ تخصصی علم کلام و فلسفہ میں امتیاز حاصل کیا۔۱۹۹۶ء میں پاکستان واپس آئے کچھ عرصے بارہ کہو کے دینی مدرسے میں اور ڈھوک رتہ راولپنڈی کے دینی مدرسے میں مدرس بھی رہے مندرجہ ذیل کتب کے ترجمے جو چھپ چکے ہیں۔

۱۔قرآن کا پیغام (پیغام قرآن) ۲۔تعلیم و تربیت در اسلام ۳۔سفر نامہ برزخ بنام برزخ کا سفر نامہ ۴۔نماز اول وقت بنام اول وقت نماز ۵۔مجازات گناہگاران از جواد رضوی بنام گناہگاروں کا بھیانک انجام ۶۔شرح دعائے روز عرفہ از ڈاکٹر غلام حسین عدیل بنام دریائے عرفان ۷۔مجلّہ 'معرفت' لندن کے مدیر بھی رہے جس کے پانچ شمارے شائع ہوئے۔

۷۔مولانا سید عباس موسوی قمی:

ولدیت: مولانا سید احمد موسوی　ولادت: ۱۹۵۹ء　مولانا کی جائے ولادت گوہری۔کھرمنگ (بلتستان) ہے B.A تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۷۹ء میں جامعۃ اہل بیت- اسلام آباد میں داخلہ لیا جہاں تین سال تک علوم آل محمد حاصل کرتے رہے یہاں آپ کے اساتذہ میں شیخ الجامعہ مولانا شیخ محسن علی اور مولانا صلاح الدین شامل ہیں۔۱۹۸۲ء میں قم چلے گئے جہاں دس سال تک رہے قم میں آپ کے حسب ذیل اساتذہ تھے:

۱۔شیخ مصطفیٰ اعتمادی　۲۔آقائی ستودہؒ　۳۔آقائی پایانی۔

۴۔آیت اللہ وحید خراسانی　۵۔سید محمود ہاشمی (چیف جسٹس)　۶۔آقائی مصباح یزدی

پاکستان مراجعت فرمانے کے بعد ۱۹۹۲ء تا ۲۰۰۲ء فیصل آباد کے ایک دینی مدرسے 'علوم اسلامی' کے

صدر مدرس رہے اس کے بعد جامعۃ الکوثر اسلام آباد آ گئے جہاں رسائل ومکاسب ولمعہ کے استاد ہیں مندرجہ ذیل کتابوں کے ترجمے کئے ہیں۔

۱۔شہدائے احیائے دین۔ ۲۔اتحاد (فارسی)

۳۔خطرات نفس (عربی) ۴۔شرح دعائے کمیل۔

۵۔ترجمہ وشرح دروس فی علم الاصول (عربی) از سید باقر الصدرؒ

۸۔مولانا محمد علی فاضل قمی:

ولدیت: ولی محمد ولادت: ۱۹۴۴ء

مولانا چوٹی ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے مقامی ہائی سکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں مخزن العلوم الجعفریہ ملتان میں داخلہ لیا جہاں آپ کے اساتذہ میں، مولانا سید شیر علی شاہؒ (م ۲۰۰۸ء) مولانا محمد حسین آف سدھو پورہ، علامہ سید ساجد علی نقوی اور مولانا عبدالغفور جعفری شامل تھے۔۱۹۶۲ء میں فاضل عربی کا امتحان پاس کیا مابعد چھ سال تک ملک کے مختلف دینی مدارس اور مساجد میں تبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے۔۱۹۶۸ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے قم تشریف لے گئے جہاں آیات عظام اسداللہ بیات، ابوالفضل موسوی، عباس دوز دانی، مصطفیٰ اعتمادی اور جعفر سبحانی جیسے ماہرین علوم فنون کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ۱۹۷۳ء میں ڈیرہ غازی خان واپس آئے یہاں دینی مدرسہ قائم کیا اور تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے چند ماہ بعد دوبارہ قم تشریف لے گئے اور آیات عظام گلپایگانی، مرعشی نجفی، شریعت مداری، شیرازی اور حرم پناہی کے دروس خارجہ سے بھر پور استفادہ کیا۔۱۹۸۷ء میں مراجعت فرمائی مومنین کے اصرار پر اب راجن پور سکونت اختیار کی جہاں مومنین کے تعاون سے چار کنال زمین خرید کر جامعہ امام جعفر صادق -کی تعمیر شروع کی اور تدریس شروع کر دی لڑکیوں کے لیے ایک الگ مدرسہ ''حوزہ علمیہ زینبیہ'' آپ کے زیر نگرانی چل رہا ہے۔آج کل آپ جامعۃ الکوثر اسلام آباد میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہیں ہیں مجالس سے بھی خطاب فرماتے ہیں آپ کا تمام بیان کتاب وسنۃ کی روشنی میں ہوتا ہے ان تمام مصروفیات کے باوجود تحریری خدمات سے بھی غافل نہیں۔آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف ، تالیفات اور تراجم ہیں:۔

ا۔آیت اللہ محمد محمدی شہری کی کتاب ''میزان الحکمۃ'' جس میں پچیس ہزار احادیث ہیں اور دس جلدوں پر مشتمل ہے کا مکمل ترجمہ کیا ہے جن میں سے آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔
۲۔منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغہ (عربی) کا ترجمہ دو حصے چھپ چکے ہیں
۳۔تفسیر نور : شیخ محسن قرائتی چھ جلدوں کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ ۴۔ترجمہ باقیات الصالحات
۵۔آسان عقائد ۶۔معاد محمد تقی فلسفیؒ کا ترجمہ ۷۔ماہ رمضان اور اعتکاف ۸۔تحفہ ماہ رمضان
۹۔احکام اموات ۱۰۔نور ولایت ۱۱۔ایک سو چودہ قرآنی سوال اور ان کے جوابات (ترجمہ) ۱۲۔مودۃ فی القربیٰ ۱۳۔خواتین کے متعلقہ مسائل حج وغیرہ ۱۴۔عصر غیبت میں ہماری ذمہ داریاں ۱۵۔حسینی انسائیکلوپیڈیا ۱۶۔یوسف قرآن: تفسیر نور سے اخذ کی گئی سورہ یوسف کی تفسیر جو اخلاقی نکات پر مشتمل ہے۔ ۱۷۔شہید عدالت (حضرت علیؑ)
۱۸۔شیعیت کا تعارف ۱۹۔کاروان شہادت ۲۰۔فلسفہ انتظار

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن اور احادیث کی روشنی میں علم امام

محمد اصغر عسکری

مدرس جامعۃ الرضا ،اسلام آباد

اس موضوع پر قلم اٹھانا اور کچھ لکھنا یقیناً بہت مشکل امر ہے کیونکہ امام معصومؑ جو انسانیت کا ہادی اور پیشوا ہوتا ہے ان کے بارے میں یہ تعین کرنا کہ ان کا علم کتنا ہے اور اس کی حدود کیا ہیں؟ کوئی معنی نہیں رکھتا لہذا یہ وضاحت ضروری ہے کہ علم امامؑ سے ہماری مراد یہ ہے کہ قرآن اور احادیث آئمہ نے اس حوالے سے ہماری کیا راہنمائی فرمائی ہے۔ اس لیے زیادہ تر ہماری تحقیق کا انحصار آیات اور روایات پر ہوگا ۔

امام کے علم کی وسعت اور حد کتنی ہے یہ جاننے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ امام کا ہمارے ہا ں کیا تصور ہے؟ کیونکہ امام کے بارے میں دو طرح کے نکتہ نظر پائے جاتے ہیں پہلا یہ کہ امام جانشین پیغمبر ہوتا ہے اور خدا کی طرف سے منصوب ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کو شریعت کے احکام بیان کرے اور اسی طرح مسلمانوں کے اجتماعی امور کی راہبری بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس سادہ تصور امامت کے لیے امام کا تمام عالَم کے علوم جیسے نظام شمسی کا علم، ستاروں کے فاصلے کتنے ہیں، زمین کا علم، ابتداء خلقت اور انتہائی خلقت **علم ما کان و ما یکون** کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت کا عالم ہونا کافی ہے۔

دوسرا نکتہ نظر یہ ہے کہ امامؑ کوئی معمولی حاکم نہیں بلکہ اس کو رسول اکرم ﷺ کا تمام ابعاد، اور پہلوؤں میں جانشین تصور کریں اور یہ کہیں کہ امام پیغمبر کی مانند تمام انسانیت کا مربی وھادی اور انسانوں کو اپنے نہائی کمال تک پہنچانے والا ہوتا ہے امام کے اس تصور سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے لیے مذکورہ تمام علو کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس بات میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے کہ آئمہ اطہار ÷ لوگوں کے

مقابلے میں علمی اعتبار سے بلند مقامات کے حامل تھے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **لاتعلموهم فانهم اعلم منكم** ۱؎

انہیں تعلیم نہ دو اس لیے کہ وہ تم لوگوں سے کہیں زیادہ جاننے والے ہیں۔ مخصوصاً باب مدینہ علم حضرت علی علیہ السلام جو بچپنے سے رسول خدا ﷺ کے سائے میں رہے اور آپ کی آخری سانسوں تک آپ کے علم سے مستفید ہوتے رہے، اپنے علمی مقام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''**ان الرسول ﷺ علّمنی الف باب و كل باب يفتح الف باب حتى علمت ماكان ومايكون الى يوم القيمة وعلمت علم المنايا والبلايا وفصل الخطاب**'' ۲؎

یعنی رسول اکرم ﷺ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم دیے اور میں نے ہر باب سے ہزار ہزار باب کھولے جو مجموعاً ہزار ہزار باب (دس لاکھ باب) ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ ان سب سے میں باخبر ہو گیا اموات وآفات کے اسرار کا میں عالم اور عدل کے ساتھ حکم کرنے کا مالک ہوں۔ لیکن علوم آئمہؑ صرف انہیں علوم پر منحصر نہیں ہیں کہ جسے واسطے کے ساتھ یا بغیر واسطے کے انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے حاصل کیا بلکہ آئمہ اطہارؑ غیر معمولی علوم سے بھی سرفراز تھے۔ جس سے بصورت الہام باخبر ہو جاتے تھے جیسے جناب خضر، جناب ذوالقرنین حضرت مریمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ پر الہام ہوتا تھا کہ جس کو قرآن نے وحی سے تعبیر کیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض آئمہ اطہار ؑ بچپنے سے مقام امامت پر فائز ہوتے اور دوسروں سے تعلیم حاصل کرنے سے بے نیاز ہوتے تھے۔ آئمہ علیہم السلام نے اپنے علم کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے ان احادیث کو ذکر کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قرآن نے علم امامؑ کے متعلق کوئی راہنمائی کی ہے یا نہیں؟ اور اگر قرآن میں یہ راہنمائی موجود ہے تو وہ کیا ہے تو آئیے سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن اس بارے میں کیا نکتہ نظر رکھتا ہے؟

قرآنی آیات اور علم امامؑ

خدا کی اس کتاب ہدایت نے مختلف آیات میں بتایا ہے کہ خدا اور رسول کے علاوہ کچھ ہستیاں ایسی ہیں جنہیں غیر معمولی علوم سے آراستہ کیا گیا ہے۔ سورہ رعد ۴۳ میں ارشاد ہوا: ''**قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْداً بَيْنَ وَبَيْنَكُمْ وَمَن عِنْدَه' عِلْمُ الْكِتٰبِ**''۔ ۳؎ کہہ دو میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے

لیے خدا کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔آئمہ ؑ نے اپنے علوم کے حوالے سے جو کچھ بیان فرمایا ہے ان روایات کو بیان کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن حکیم نے اس حوالے سے کیا راہنمائی فرمائی ہے۔علم الکتاب کے حامل ہونے کی اہمیت اس وقت آشکار ہوگی کہ جب ہم حضرت سلیمان ؑ کے حضور تخت بلقیس کے حاضر کرنے کی داستان کا مطالعہ کریں قرآن نے کہا: ''قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہ، عَلْمٌ مِنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبلَ اَنْ یَرْ تَدّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ'' [۹] یعنی جس کے پاس کتاب کا مختصر علم تھا اس نے کہا میں تخت بلقیس کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کردوں گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم الکتاب کے ایک حصے سے باخبر ہونا ایسے حیرت انگیز امور کا باعث ہے۔پس تمام علم الکتاب سے متصف ہونا کیسے عظیم اثرات کے رونما ہونے کا سبب ہوسکتا ہے۔یہی وہ نکتہ ہے جسے امام صادق علیہ السلام نے جناب سدیر سے نقل ہونے والی روایت میں فرمایا ہے! سدیر کہتے ہیں میں ابوبصیر یحییٰ براز اور داود ابن کیثر جو امام صادق ؑ کی بارگاہ میں حاضر تھے جبکہ حضرت بڑے غضب کی حالت میں وارد مجلس ہوئے اور فرمایا! مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے۔جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے پاس علم غیب ہے، حالانکہ خدا کے علاوہ کوئی بھی علم غیب سے واقف نہیں ہے میں اپنی کنیز کو تنبیہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ فرار ہوگئی جب کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ کس حجرے میں مخفی ہے۔سدیر کہتے ہیں کہ جب امام ؑ اپنے گھر کی طرف جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں بھی ابوبصیر اور میسر کے ساتھ آنحضرت ؐ کے ہمراہ ہو لیا اور، راستے میں، میں نے حضرتؑ سے عرض کی ہم آپ پر قربان جائیں آپ نے جو کچھ کنیز کے بارے فرمایا، ہم نے اسے تسلیم کیا اور ہم اس کے بھی معتقد ہیں کہ آپ بے شمار علوم کے مالک ہیں نیز کبھی بھی آپ کے بارے میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتے۔

امام ؑ نے فرمایا: سدیر کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا، اس آیت کی تلاوت نہیں کی: ''قال الذی عندہ علم من الکتاب'' تو میں نے کہا ضرور تلاوت کی ہے تو امام نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ شخص (آصف بن برخیا) کتاب میں سے کس قدر علم کا مالک تھا؟ میں نے کہا آپ ہی فرمائیے تو امامؑ نے فرمایا ایک عظیم سمندر سے صرف ایک قطرے کے برابر۔پھر فرمایا کیا اس آیت کی تلاوت کی ہے۔''قل کفی باالله شهيداً بيني و بنيكم ....''۔میں

نے کہا ضرور کی ہے۔تو امامؑ نے فرمایا بتاؤ وہ شخص افضل ہے۔جو تمام کتاب کے علم سے واقف ہے یا وہ جو صرف کتاب کا ایک حصہ جانتا ہے؟ تو میں نے جواب دیا جو تمام کتاب کا علم جانتا ہے تو امامؑ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا خدا کی قسم تمام کتاب کا علم ہمارے پاس ہے۔۵

اس روایت میں اگر غور وفکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے اگر چہ علم غیب کی بظاہر نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم علم غیب نہیں جانتے مگر اس کے باوجود بہت سارے علوم سے آگاہی کے حوالے سے بھی بیان فرمایا ہے۔چند دیگر آیات جو آئمہؑ کے وسیع علم کو بیان کرتی ہیں: ''**وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ**'' ۔۶

ترجمہ:۔اور اس کی تاویل نہیں جانتے مگر خدا اور وہ جو علم میں راسخ ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''**راسخون فی العلم**''

ہم ہیں اور ہم ہی تاویل قرآن کے عالم ہیں۔

فاسئلو ااھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔۷

اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو ۔

امام باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا اہل ذکر سے کون مراد ہے؟ فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ذکر ہوں اور آئمہ علیہم السلام اہل ذکر ہیں۔۸

''**بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتو العلم**'' ۹ ترجمہ:۔بلکہ یہ روشن نشانیاں ان کے سینوں میں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔ابو بصیر نے امام پنجم سے روایت کی ہے۔

''**قال ابو جعفر :فی هذه الآ یه ....اما و الله یا بامحمد ما قال بین دفتی المصحف قلت من هم جُعلت فداک قال من عسی ان یکون غیرنا ؟**'' ۱۰

امام صادقؑ نے فرمایا ہے جن کو علم دیا گیا ہے ان سے مراد آئمہ علیہم السلام ہیں۔ان تمام آیات سے واضح ہوتا ہے کہ خدا کے بعد کچھ ہستیاں ایسی ہیں جن کو خدا نے ایسے علم سے نوازا ہے جو باقی لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

علم امامؑ احادیث کی روشنی میں

قال ابوجعفر علیہ السلام :یمصون الثمار ویدعون النهر العظیم قیل له وماالنهر العظیم قال رسول الله والعلم الذی اعطاه الله.........الی آخره .[۱۱]

ترجمہ : امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: لوگ رطوبت کو چاٹتے ہیں اور بہت بڑی نہر کو چھوڑ دیتے ہیں پوچھا گیا بڑی نہر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: رسول خدا اور وہ علم جو خدا نے ان کو عطا کیا ہے۔ بے شک خدا نے آدم سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک خدا نے تمام انبیاء کی سنن کو رسول اللہ کے لیے اکٹھا کر دیا ،پوچھا گیا وہ سنن کیا ہیں؟ فرمایا: تمام انبیاء کا علم ۔اور پھر یہ تمام انبیاء اور رسول اللہ ﷺ کے علم کو خدا نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو دیا۔ایک شخص نے پوچھا اے فرزند رسول کیا امیر المومنینؑ بعض انبیاء سے اعلم ہیں: امام نے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا سنو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے بے شک خدا جسے چاہتا ہے اس کی سماعتوں کو کھول دیتا ہے۔میں نے اسے بتایا کہ خدا نے تمام انبیاء کے علوم کو محمد ﷺ کے اکٹھا کر دیا ہے اور رسول خدا نے یہ تمام علم امیر المومنین کیلئے اکٹھا کر دیا ہے۔اور یہ شخص پوچھتا ہے کہ کیا امیر المومنینؑ بعض انبیاء سے اعلم ہیں؟ لحن حدیث بتاتا ہے کہ امام علی علیہ السلام اس شخص کے اس سوال کرنے پر بھی راضی نہیں تھے یعنی یہ بات اتنی حتمی اور یقینی تھی کہ مورد سوال نہیں قرار دیا جا سکتا۔

علی ابن محمد نوفلی نے امام عسکری علیہ السلام سے نقل کیا ہے: امامؑ نے فرمایا: ''**اسم الله الاعظم ثلاثه وسبعون حرفا وما کان عند آصف الا حرف تکلم به فاانخرقت له الارض فیما بینه وبین سبا فتنا ول عرش بلقیس حتی صیره الی سیلمان ثم انبسطت الارض فی اقل من طرفة عین وعندنامنه اثنان وسبعون حرفا وحرف عندالله مستاثر به فی علم الغیب**''۔

ترجمہ۔ نوفلی نے امام حسن عسکریؑ سے روایت کی ہے کہ امام نے فرمایا: خدا کے اسم اعظم کے ۷۳ حرف ہیں ۔آصف (بن برخیا) کے پاس ایک حرف تھا جسے وہ زبان پر لایا تو زمین اس کے اور سبا (یمن) تک کے درمیان پھٹ گئی اور تخت بلقیس کو لے کر سلیمان تک پہنچا دیا پھر دوبارہ پلک جھپکنے سے پہلے زمین پھیل گئی اور ہمارے پاس ۷۲ حرف ہیں اور ایک حرف خدا کے ساتھ خاص ہے جو اس کے علم غیب کو بیان کرتا ہے۔اس حدیث سے امام کے علم کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور امام علیہ السلام نے یہ

بھی وضاحت فرمادی کہ ہم جتنا بھی علم رکھتے ہوں پھر بھی خدا کے مقابلے میں ہمارا علم محدود ہے۔

بہت ساری روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام تمام علوم انبیاء، تمام کتب آسمانی اورقرآن کے وارث قرار دیے گئے ہیں۔نمونہ کے لیے صرف ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔ان احادیث کودیکھنے کے لیے اصول کافی کتاب الحجت کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

''عن سالم قال سئلت عن ابا جعفرؑ عن قول الله عزوجل ثم اورثنا الکتاب الذی اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق باالخیرات باذن الله قال .....''۱۲

ترجمہ۔سالم کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سورہ فاطرہ کی ۳۲ آیت کہ پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے کچھ برگزیدہ بندوں کواس کتاب کا وارث بنایا پس ان میں سے کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ میانہ وہ ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں ۔اس کے بارے سوال کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: نیکیوں میں سبقت کرنے والے سے مراد امام ہے اور میانہ رو سے مراد وہ ہے جس نے امام کی معرفت حاصل کی اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والا وہ ہے جس نے امام کی معرفت حاصل نہ کی۱۳

علم امام کے ذرائع

قرآنی آیات اور روایات آئمہ علیہم السلام سے کسی حد تک یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ آئمہ علیہم السلام غیر معمولی علوم کے مالک ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کے اس وسیع علم کا ماخذ کیا ہے اور امام یہ علم کہاں سے حاصل کرتا ہے؟ روایات نے علم امام کے چند ذرائع بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔**پیغمبر گرامی اسلام سے سیکھنا**: امام پیغمبر کا شاگرد ہوتا ہے چونکہ پیغمبر خدا کے علم کا مظہر ہوتا ہے اور اس کا فرشتہ وحی سے رابطہ ہوتا ہے۔

۲۔امام کے علم کا دوسرا ذریعہ قرآن حکیم ہے کیونکہ قرآن ایسی کتاب ہے۔کہ **''فیه تبیان کل شی ...لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین''.**

جیسا کہ حدیث میں موجود ہے کہ ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور پوچھا مولا آپ کا علم کتنا ہے؟ تو امام نے فرمایا جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جو بہشت میں ہے جو کچھ جہنم میں ہے اور جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ آنے والا ہے میں جعفر صادقؑ ان سب کو جانتا ہوں (شاید کچھ کمظرف موجود تھے جو ہضم نہیں کر پائے) اس لیے اس کے فوراً بعد فرمایا کیونکہ یہ تمام علوم قرآن میں موجود ہیں اور ہم قرآن کے وارث ہیں۔۱۴

۳۔الہام کی صورت میں عالم غیب سے رابطہ قرآن نے بتایا ہے کہ غیر انبیاء پر بھی الہام ہوا ہے جیسا کہ حضرت مریمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ پر بھی الہام ہوتا تھا جس کو قرآن نے وحی سے تعبیر کیا ہے۔اسی مطلب کو امام نے یوں بیان فرمایا ہے۔امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے فرمایا: **مبلغ علمنا علیٰ ثلاثة وجوه ماض وغابر وحادث** .... ہمارے علم کی تین جہات ہیں۔گذشتہ کے بارے آئندہ کے بارے اور واقع ہونے والے حادثات کے بارے۔

بہر حال گذشتہ کا علم رکھتے ہیں کیونکہ اس کی تفسیر کردی گئی ہے (یعنی رسول اللہ نے بتایا ہے) آئندہ کا علم وہ مصحف جو ہمارے پاس ہے اس میں موجود ہے لیکن لحہ بہ لحہ واقع ہیں ہونے والے حوادث پس ان کا علم الہام کی صورت میں ہمارے دل پر آتا ہے اور یہ ہی ہمارا بہترین علم ہے۔۱۵

البتہ بعض احادیث میں آئمہ علیھم کے علم کی کیفیت کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ جب ہم جاننا چاہیں تو جان لیتے ہیں۔**عن عمار ساباطی قال سئلت اباعبدالله عن الامام یعلم الغیب ؟ قال لا ولکن اذا اراد ان یعلم الشی اعلمه الله ذلک.** ۱۶

ترجمہ: عمار ساباطی نے روایت کی ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا: امام علم غیب جانتا ہے؟ تو امام نے فرمایا نہیں لیکن جب وہ جاننا چاہے تو خدا انہیں علم دے دیتا ہے۔

۴۔فرشتوں سے ہم کلام ہوکر۔روایات سے مستفید ہوتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام محدّث ہیں۔یعنی فرشتے آپ سے ہم کلام ہوتے تھے۔جیسا کہ امام چہارم کی یہ حدیث اسی مطلب کی تائید کرتی ہے: **"قال ما ینقم الناس منا نحن ولله شجرة النبوة وبیت الرحمة ومعدن العلم ومختلف الملائکه"** ۔۱۷

ترجمہ: لوگ ہم سے کم لیتے ہیں خدا کی قسم ہم نبوت کا شجرہ خاندان رحمت علم کا خزانہ اور ملائکہ کی

آمدورفت کا مقام ہیں۔

۵۔گزشتہ انبیاء پرنازل کردہ آسمانی کتب ہمارا عقیدہ ہے کہ گزشتہ انبیاء پرنازل ہونے والی آسمانی کتب اپنی اصلی اور صحیح شکل (بغیر تحریف) میں آئمہ علیہم السلام کے پاس موجود ہیں۔اسی مطلب کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے۔داؤد علیہ السلام نے گزشتہ انبیاء کے علم کو ارث میں لیا سلیمان داود کے وارث بنے اور رسول اللہؐ نے سلیمان سے یہ علمی میراث لی اور ہم نے رسول اللہؐ سے یہ علم لیا۔اور ابراہیم کے صحائف اور الواح موسیٰ ہمارے پاس ہیں۔ابوبصیر نے پوچھا مولیٰ کیا علم کامل یہی ہے: فرمایا: اے ابا بصیر علم کامل یہ ہے کہ ہر دن ورات میں لحظہ بہ لحظہ واقع ہونے والے امور کا علم ہو۔۱۸

۶۔مصحف حضرت فاطمہؑ روایات کے مطابق مصحف حضرت سیدہ جو قرآن کے علاوہ ہے اس وقت امام زمانہ کے پاس موجود ہے اور آپ سے پہلے ہر امام کے پاس موجود تھا۔اس مصحف میں کیا ہے؟ یہی سوال ابوبصیر نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا تو امام نے فرمایا: لوگ کیا جانیں مصحف فاطمہ کیا ہے؟ ایسا مصحف ہے جو قرآن کے تین برابر ہے۔خدا کی قسم اس میں ایک حرف بھی قرآن والا نہیں ہے۔اس مصحف میں کیا ہے اسکو بھی امام صادق علیہ السلام نے اپنی ایک اور حدیث میں بیان کیا ہے جب پوچھا گیا؟

"ومامصحف فاطمه ؟قال ان الله تعالیٰ لما قبض نبيه دخل علیٰ فاطمه من وفاته من الحزن مالا يعلمه الا الله عزوجل فارسل الله اليه ملكا يسلی غمها ويحدسها فشكت ذلک الی 'اميرالمومنينؑ فقال اذااحسست بذلک وسمعت الصوت قولی لی فاعلمته بذلک فجعل امير المومنينؑ يكتب كلما سمع حتی اثبت من ذلک مصحفا قال ثم قال اما انه يس فيه شیء من الحلال والحرام ولكن فيه علم ما يكون "

ترجمہ: حماد بن عثمان کہتا ہے کہ میں نے چھٹے امام سے پوچھا مصحف فاطمہ کیا ہے؟ فرمایا جب پیغمبر کی وفات ہوئی تو حضرت فاطمہ اتنی غم ناک ہوگئی کہ خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا لہذا خدا نے ایک فرشتہ مقرر کیا جو حضرت فاطمہ کو تسلی دیتا اور ان سے گفتگو کرتا۔حضرت فاطمہ نے یہ ماجرا امیر المومنینؑ کو بتایا۔امام نے فرمایا جس وقت آپ فرشتہ کے نزول کو محسوس کریں اور اس کی آواز کو سنیں تو مجھے بتائیں۔اس کے بعد وہ فرشتہ جو کچھ بیان کرتا تھا امیر المومنینؑ لکھتے تھے یہاں تک وہ مصحف بن گیا۔اس مصحف میں

حلال وحرام کی بات نہیں ہے بلکہ اس میں آنے والے حالات کا علم ہے۔

ایک اہم سوال

امام کے علم کے حوالے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ سوال بھی موجود ہے کہ آئمہ علیہم السلام جب اتنے سارے علوم سے آگاہ تھے اور علم غیب بھی رکھتے تھے تو یقیناً امام حسن علیہ السلام جانتے تھے کہ اس پانی میں زہر ملایا گیا ہے تو پھر اس سے کیوں استفادہ کیا، کیا یہ خودکشی کے مترادف نہیں ہے؟ کہ قرآن نے واضح طور پر جس سے منع کیا ہے کہ **لاتلقو ابایدیکم الیٰ التھلکۃ** ۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یا دیگر آئمہ علیہم السلام جب علم غیب کے ذریعے جانتے تھے کہ ان انگوروں میں یا پانی میں زہر ملا ہوا ہے تو پھر کیوں استعمال کیا ہے؟ اس کا جواب دینے سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلام کے قوانین اور تکالیف تمام انسانوں کے لیے چاہے وہ نبی ہو، امام ہو یا کوئی عام فرد ہو برابر ہیں۔ یعنی تمام مکلّف ہیں کہ احکام الٰھیہ کو بجالائیں۔ اور ان ذمہ داریوں اور قوانین الٰھیہ کی بنیاد بھی عادی علم پر استوار ہے نہ کہ علم غیب پر، یعنی آئمہ ھدیٰ علیہم السلام بھی ان احکام کی انجام دہی میں عام لوگوں کی طرح جو کہ علم غیب نہیں رکھتے۔ اپنے وظیفہ پر عمل کریں گے۔ لہذا اگر امام معصوم عادی علم سے کسی تکلیف کا علم نہیں رکھتا تو عام فرد کی طرح امام سے بھی تکلیف ساقط ہے اور اس کا انجام دینا ضروری نہیں ہے اگر چہ اما م اپنے علم غیب سے اس تکلیف کا علم رکھتا ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عادی زندگی میں امام معصوم علم غیب سے استفادہ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ بلکہ عام انسانوں کی طرح علم عادی سے ہی تکلیف کو انجام دیتا ہے۔

نتیجہ: اس مختصر تحریر میں مذکورہ قرآنی آیات اور روایات سے واضح طور پر یہ نتیجہ لیا جاسکتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام علم غیب رکھتے تھے اور جو لوگ کہتے ہیں علم غیب خدا کے ساتھ خاص ہے اور قرآنی آیات سے دلائل پیش کرتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں دو طرح کی آیات موجود ہیں ایک حصہ ان آیات کا ہے جو بیان کرتی ہیں کہ علم غیب صرف خدا کے ساتھ خاص ہے اور خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ۔ دوسرا حصہ ان آیات کا ہے جو کہتی ہیں کہ خدا جسے چاہے علم غیب دے سکتا ہے اور دیا ہے: **عالم الغیب فلا یظھر علی ی غیبہ احدا الامن ارتضی من رسو ل** ۔[۱۹] ترجمہ۔ وہ غیب کا جاننے والا اپنا غائب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو۔ **و کان اللہ لیطلعکم**

علیٰ الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء ۔۲۰ اور اللہ تمہیں غیب کی باتوں پر مطلع نہیں کرے گا لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ کسی چیز کے غیب یا شہود کا علم رکھنا یا نہ رکھنا اہم نہیں ہے بلکہ مہم خدا کا ارادہ ہے ۔خدا کے ارادے کے بغیر نہ علم بہ غیب ممکن ہے اور نہ کوئی اور علم پس جو یہ کہتا ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی اور علم غیب نہیں رکھتا اسے خدا کی معرفت ہی نہیں ہے اس بے چارے کو ابھی یہ بھی نہیں معلوم کہ خدا کے ارادے سے علم غیب یا علم بہ شہود میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ اہم خدا کا ارادہ ہے ممکن ہے خدا کسی کو ایسی قوت وطاقت عطا کردے کہ وہ عالم غیب سے اتنا باخبر ہو جائے کہ دوسرے عالم شہود سے بھی اتنی آگاہی نہ رکھتے ہوں ۔البتہ جتنا جس کسی کا ظرف ہوتا ہے اتنا فیض ملتا ہے۔**ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء .**

حوالہ جات

۱۔غایۃ المرام۔ص ۲۶۵

۲۔اصول کافی۔ج ا۔ص ۲۹۶۔ینابیع المودت۔ص ۸۸

۳۔رعد۔۴۳

۴۔نمل۔۴۰

۵۔اصول کافی ج۔ا۔ص ۲۵۷۔دار الکتاب الاسلامیہ

۶۔آل عمران ۷

۷۔نحل۔۴۳

۸۔اصول کافی ج ا۔ص ۳۰۸

۹۔عنکبوت۔۴۹

۱۰۔اصول کافی۔کتاب الحجت۔ج ۲۔ص ۱۶۵

۱۱۔اصول کافی۔ج ۲۔کتاب الحجت۔ص ۱۹۱۔چاپ صدر

۱۲۔فاطر۔۳۲
۱۳۔اصول کافی۔ج۲۔کتاب الحجت۔ص۱۶۷
۱۴۔اصول کافی۔ج۲۔کتاب الحجت۔ص۳۱۷
۱۵۔ ایضاً۔ص۳۱۷
۱۶۔ ایضاً۔ ص۲۹۶
۱۷۔ ایضاً۔ ص۱۸۷
۱۸۔ ایضاً۔ ص۱۹۷
۱۹۔جن۔۲۶
۲۰۔آل عمران۔۱۷۹

☆☆☆☆☆☆☆

واقعہ حرہ اور امام زین العابدین علیہ السلام کا سیاسی کردار

سید محمد جعفر شاہ خوارزمی
مسئول فاصلاتی نظام تعلیم، نور الہدیٰ ٹرسٹ، اسلام آباد

اگر تاریخ اسلام پر ایک سرسری نظر دوڑائی جائے، تو رسول اعظم اسلام حضرت ختمی مرتبت ؐ کی وفات کے بعد، تاریخ کے اوراق سفاک اور جابر اور حاکموں کے ظلم وستم سے بھرے نظر آتے ہیں۔ تاریخ اسلام کے انہی تاریک ابواب میں سے ایک بنوامیہ کا تاریک دور ہے۔ بنوامیہ نے تاریخ اسلام میں ظلم و سفاکیت کی تمام حدیں ختم کرڈالیں۔ واقعہ کربلا کے بعد بنوامیہ کے ظالمانہ اور بے شرمانہ کردار کی ایک اور تاریخی سند واقعہ حرہ ہے۔ اس شرمناک واقعہ کو اکثر و بیشتر تمام مورخین نے بنوامیہ کے مظالم کی ایک تاریخی دستاویز کے طور پر ثبت کیا ہے۔ واقعہ حرہ کے ذیل میں بہت سے سوالات اذہان میں جنم لیتے ہیں۔

یہ واقعہ کب اور کیسے رونما ہوا؟ اس واقعے کے علل واسباب کیا تھے؟ اس واقعے سے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ انہی سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس ضمن میں خاندان عصمت و ولایتؑ کا کیا کردار اداء رہا؟ اور خصوصاً وارث خون شہدای کربلا، امام زین العابدینؑ کی کیا حکمت عملی تھی؟ امامؑ نے اہل مدینہ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟

ان سوالات کے جوابات دینا بہت ضروری ہے کیونکہ امام سجاد علیہ السلام نے واقعہ حرہ میں بالکل حصہ نہیں لیا۔ امام علیہ السلام نے مطلقاً کسی کو نہ شرکت کی ترغیب دلائی اور نہ ہی ممانعت فرمائی۔ یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں ہے کے اگر امامؑ، بنی امیہ کے مخالف تھے تو پھر آپ۔ نے اس فرصت سے بنی امیہ کی شکست اور نابودی کے لیے کوشش کیوں نہ فرمائی؟

انہی سوالات اور واقعہ حرہ سے بہتر واقفیت کے لیے ہمیں تاریخ اسلام کا اور اس واقعے سے متعلق بعض شخصیات کا تحقیقی جایزہ لینا ہوگا جس کے بعد ہی ہم قدرے حقایق کو جان بھی سکیں گے اور امامؑ کی مدبرانہ حکمت عملی کو سمجھ سکیں گے۔ یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی شخصیت کو پہچاننے کے لیے اس کی زندگی کے جزئی واقعات اور پالیسیوں (Policies) سے صرف نظر اس کی جامع حکمت عملی اور اہداف و مقاصد (Strategy) کو سمجھنا ہوگا۔ حکمت عملی کو جانے بغیر نہ ہی امامؑ کی راہ و روش کو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی جزوی امور میں امامؑ کی پالیسیوں کو جانا جاسکتا ہے۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا بنیادی ترین ہدف اور مقصد، الٰہی و اسلامی نظام حکومت کا قیام رہا ہے؛ اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمی کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی اسی راہ و روش کو برقرار رکھا۔ عاشورہ ۶۱ ہجری سے لے کر ۹۴ ہجری تک، ۳۰ سال سے زائد کا عرصہ امامؑ نے اسلامی نظام حکومت کے قیام میں صرف کیا۔ اس ضمن میں امامؑ نے اپنی مدبرانہ صلاحیتوں کے ساتھ مختلف مواقع پر مناسب حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے، اسلامی نظام حکومت کی تشکیل کے لئے راہ ہموار فرمائی۔

اس سے قبل کے ہم پس از عاشورہ اور خصوصاً حرہ کے واقعہ کا جائزہ لیں، امام زین العابدینؑ کی سوانح حیات پر مختصر تحقیقی روشنی ڈالنی چاہیے، اگر چہ یہ امر نہایت دشوار ہے کیونکہ بعض خطباء و مورخین نے عوام کے اذہان کو آشفتہ و حیران کر رکھا ہے اور یہ تاثر پیدا کیا ہوا ہے کہ واقعہ کربلا کہ بعد امام زین العابدین علیہ السلامنے دنیا سے عزلت اور گوشہ نشینی اختیار کر لی اور دعا و عبادت میں مصروف ہو گئے اور ہر قسم کی سیاست اور حتی اجتماعی ذمہ داریوں سے بھی اجتناب کیے رکھا۔ حالانکہ یہ امر امامت و ولایت کے اہداف و مقاصد کے بالکل خلاف ہے۔ واقعہ کربلا کہ بعد امام زین العابدین کی حیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؛

۱۔ پہلا حصہ؛ اسارت کا زمانہ

۲۔ دوسرا حصہ؛ اسارت سے رہائی کے بعد کا زمانہ

واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام کی حیات مبارک کا پہلا دور، کہ جس کا آغاز شہادت عظمی امام حسین علیہ السلام سے ہوا، تاریخ امامت کا نہایت کٹھن اور دشوار دور تھا۔ امام- نے اپنی امامت کا آغاز ہاتھوں میں زنجیریں اور پیروں میں بیڑیاں پہن کر کیا؛ بے یار و مددگار اور بغیر اصحاب و

اعوان کے؛ بیعت کرنے والے بھی صرف خواتین اور یتیم بچے تھے؛ امامت کا پہلا دن بھی غم واندوہ سے آغاز ہوا۔اسی طرح پہلے دور کا پایان بھی اہلبیت علیہم السلام کی اسارت سے رہائی کیساتھ ہوا۔لیکن اس قدر بے شمار مصائب اور مشکلات کے باوجود امام- نے اس دور میں بے مثال شجاعت اور دلیری کا ثبوت دیا اور اپنے حماسی کردار وگفتار کے ساتھ دشمنوں کو ہر میدان میں ناقابل فراموش شکست سے دچار کیا۔

امام علیہ السلام نے کوفہ وشام میں اپنے حماسہ ساز خطبوں سے بنی امیہ کی بظاہر فتح کو خاک میں ملا دیا۔اسی طرح آپؑ کے زیر سایہ حضرت زینبؑ اور حضرت سکینہؑ نے بھی بنوامیہ کے ظلم و بربریت کو بے نقاب کر دیا۔امام زین العابدین علیہ السلام نے دربار کوفہ میں عبید اللہ ابن زیاد جیسے خونخوار کے مقابلے میں آواز حق بلند کی۔ابن زیاد جو اپنی طاقت کہ نشہ میں مدہوش تھا، امام علیہ السلام کے شجاعانہ اور دلیرانہ حقیقت پرمبنی بیانات نے ابن زیاد کو اس حد تک بے بس کر دیا کہ وہ حکم دینے پر مجبور ہو گیا کہ: اس جوان کو قتل کر دو! اس موقع پر حضرت بی بی زینبؑ کے بروقت شجاعانہ فیصلے نے امام علیہ السلام کی حفاظت فرمائی۔

اسی طرح امام زین العابدین علیہ السلام نے دمشق کے بازار شام میں، مسجد کوفہ میں اور حتی دربار یزید میں اپنی پھوپھی بی بی زینب سلام اللہ علیہا اور بہن بی بی سکینہؑ کیساتھ اس والہانہ انداز سے لوگوں پر حقایق کو آشکار کرتے ہوئے، یزید اور بنوامیہ کے ظلم و بربریت کو بے نقاب کر دیا۔اسی طرح عوام میں اہلبیت علیہ السلام کی امامت و ولایت کو آشکار فرمایا اور پس پردہ حقایق کو لوگوں پر واضح کر دیا۔امام علیہ السلام کی زندگی کو مجموعی طور پر سمجھے بغیر اور اہداف و مقاصد امامت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہی ہم امام زین العابدین- کے جزئی واقعات اور مسائل کو سمجھ سکتے ہیں۔

امام علیہ السلام کا کربلا کے بعد کا دوسرا دور (اسارت سے رہائی کے بعد کا ہے) یہ ۳۰ سال کا عرصہ نسبتاً طویل المدت اور نہایت کٹھن اور دشوار رہا۔اس مدت میں امام علیہ السلام نے بہت احتیاط اور دقت سے حکومت اسلامی کی بنیادیں استوار کیں اور اس کے لئے افراد کی تربیت اور تقرر فرمایا۔یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے دور میں تو امام نے نہایت سخت رویہ دیکھایا لیکن دوسرے دور میں آپکا انداز بے حد نرم اور محتاط ہو گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کربلا کے بعد امام سجاد علیہ السلام کی حیات کا پہلا حصہ، جو کہ نہایت مختصر

تھا، درحقیقت ایک سنہری موقع تھا جسے امامؑ نے آیندہ کے انقلاب کے لیے استعمال میں کیا۔ کوفہ وشام میں امامؑ نے آتشین خطبوں کے ساتھ شجاعت ومظلومیت حسین بن علی علیہ السلام کو اس انداز میں بیان فرمایا کہ شہداء کا پیام اور مقصد شہداء عوام تک پہنچ جائے اور لوگ ہمیشہ حسین بن علی۔ اور انکے عظیم مقصد کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ اس دوران امام سجاد علیہ السلام کا بنیادی کردار پیام شہدا کو پہنچانا تھا۔ اس مرحلے میں امام علیہ السلام نے کوئی ضعف وکمزوری نہیں دیکھائی؛ بلکہ اپنی ہیبت ہاشمی اور بے مثال صبر واستقامت کے ساتھ خون حسین کی پاسداری فرمائی۔ باوجود اس کے کہ عاشورا کے بعد عالم اسلام میں اور خصوصاً حجاز وعراق میں رعب ووحشت پھیل گئی اور لوگ احساس کرنے لگے کے یزیدی حکومت اس قدر ظالم ہے کہ اپنے اقتدار کی خاطر نواسہء رسولﷺ کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ البتہ اس خوف و ہراس کے پھیلانے میں دوسرے عوامل بھی مئوثر ہوئے، جن کی تکمیل واقعہ حرہ سے ہوگئی۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "**ارتد الناس بعد الحسين عليه السلام الا ثلاث ثم ان الناس لحقوا و كثروا**". امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سوائے تین افراد کے سب مرتد ہوگئے (اسی طرح ایک اور روایت میں پانچ افراد اور دوسری حدیث میں سات افراد کا تذکرہ ہے) اور پھر تدریجاً لوگ ملتے گئے اور تعداد بڑھتی گئی۔

ابوعمر مہدی، امام سجادؑ سے ایک حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ (**ما بمكة والمدينة عشرون رجلا يحبنا**) پورے مکہ ومدینہ میں ہمارے چاہنے والوں کی تعداد بیس افراد بھی نہیں تھی!

ان دو حدیثوں سے بخوبی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کیسے حالات میں امام۔ نے اسلام کی باگ ڈور سنبھالی۔ امامؑ کے پاس نہ تو کوئی اصحاب تھے اور نہ ہی شرایط ایسی کی جن میں کام کا آغاز اعلانیہ طور پر کیا جاسکے۔ ہر طرف خوف و ہراس کا عالم تھا اور لوگ ستم زدہ و مایوس تھے، اور ایسے حالات میں کسی قسم کی اجتماعی حرکت کا تصور بھی ناممکن تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام معصومؑ کی سب سے اہم ذمہ داری دین اسلام کا فروغ اور اس کا تحفظ ہے کہ جو ہر زمانے کا امامؑ اپنی جان، مال، عزت اور حتی خود اور آل واولاد کی قربانی کے ذریعے انجام دیتا رہا اور اسلام میں ہمیشہ نئی روح ونشاط قائم رکھی۔ یہ احادیث اس بات کا ثبوت بھی ہیں کہ امام سجاد۔ حکومت عدل الہی کی تشکیل کے لئے اصحاب ویاران نہ ہونے کے سبب نہایت درجہ مضطرب ونگران ہیں۔

اور یہ اس امر کی جانب توجہ دلاتی ہے کہ امامؑ کی سب سے اہم ترجیح اصحاب و یاران کی تربیت و تیاری ہے۔شایان ذکر ہے کہ کتاب (جہادالشیعہ) کی مصنفہ جو کہ مکتب اہل سنت سے تعلق رکھتی ہے،اور بظاہر امام سجادؑ سے متعلق حقیقت پر مبنی آراء بھی نہیں رکھتی،اس کے باوجود اس نے بھی بخوبی اس حقیقت کا بھرپور ادراک کرتے ہوئے لکھتی ہے’’شہادت حسین-کے بعد شیعہ گروہ ایک منظّم تنظیم کی صورت میں ابھرا، جنہیں عقیدہ اور سیاسی رابطہ نے متحد کر دیا،جس کے نتیجے میں ان کی ایک منظّم جماعت اور پیشوا بھی تھے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی عسکری فوج بھی تیار کی جس کی سب سے پہلی مثال’’توابین‘‘ کا قیام تھا‘۔

یہ بھی اس بات کی ایک اچھی دلیل ہے کہ امام سجادؑ نے سخت ترین شرائط اور حالات میں بھی اپنے بنیادی مقصد یعنی’’قیام حکومت عدل الہی‘‘ کو جاری وساری رکھا اور اس امر کے تحقق کے لئے پہلے مرحلے میں سینکڑوں اصحاب و یاران کی تربیت فرمائی اور دوسرے مرحلے میں صحیفہ سجادیہ کو امام باقرؑ اور امام صادقؑ کی عظیم درسگاہ کیلئے نصاب کے طور پر تیار کیا۔ان تمام حقایق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کے بطور یقین امامؑ حالات کے پیش نظر قیام حکومت اسلامی کے لئے مختلف لائحہ عمل ترتیب دیتے رہے۔

امام سجادؑ کے زمانہ امامت میں از جملہ واقعات کے جس کا داغ آج بھی امت مسلمہ کی پیشانی پر منقوش ہے،واقعہ حرہ ہے۔یہ واقعہ ۶۳ ہجری میں شہر مدینہ منورہ میں پیش آیا۔اس واقعہ میں ہزاروں یزیدی فوج نے ہزاروں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی۔تین دن تک یزید نے اپنی فوج کو مکمل آزادی دے دی تا کہ جو چاہے مدینے میں انجام دیں۔

واقعہ حرہ کے اسباب وعلل:

الف: بلازری لکھتا ہے: جب عبداللہ بن مطیع نے اپنے بھائی کا قتل کیا تو لوگوں کو یزید کی خلافت سے خلع کیا اور اس کے خلاف جہاد کا حکم دیا۔مدینہ والوں اور پورے حجاز نے اس کی اطاعت کی۔عبداللہ نے ابن زبیر کی جانب سے مدینہ والوں کی بیعت لی۔یزید کو خبر پہنچی،حاکم مدینہ عثمان بن محمد سے چاہا مدینہ کے بزرگوں کا ایک گروہ اس کی جانب شام روانہ کے تا کہ ان کی خاطر مدارا کر سکے (انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۱)

اس روایت میں اہم نکتہ یہ ہے کہ اہل مدینہ نے زبیر کہ ہاتھوں پر بیعت کر کے یزید کے خلاف

قیام کیا، اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ابن زبیر نے واقعہ حرہ کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا: ''تمہارے دوست اس واقعہ میں مارے گئے''۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۳،ص ۱۵۶)

اس ضمن میں ابوالفرج نے بھی دلایل نقل کیے ہیں کہ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ ڈالی اور ابن زبیر کی بیعت میں آ گئے۔ (الاغانی ج ۱،ص ۲۴۔۲۱)

ب۔ یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے: جب عثمان بن محمد مدینہ کا والی بنا، حسب معمول ابن مینا ''صوافی'' (بیت المال کے وہ مخصوص حصہ جو خلیفہ کے لیے مختص ہوتا تھا) کے اموال لینے مدینہ آیا۔ ایک گروہ نے ان اموال کے لے جانے سے خودداری کی۔ اس موقع پر لوگوں اور والی مدینہ کے درمیان مشاجرہ ہوا جس کے نتیجہ میں لوگوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کردی اور امیہ خاندان کو مدینہ سے باہر نکال دیا (تاریک الیعقوبی ج ۲،ص ۲۵۰)۔ ابن قتیبہ نے بھی اس سے ملتی جلتی روایت درج کی ہے (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱، ص ۲۰۶)۔

ج: طبری کی روایت یہ ہے کہ عثمان بن محمد نے حاکم مدینہ منصوب ہونے کے بعد مدینہ کے معتمدین پر مشتمل ایک گروہ کو یزید کے پاس روانہ کیا تا کہ یزید ان کی دل جوئی کر سکے، اور تحفے تحائف کے ذریعے ان کے دل جیت سکے۔ یہ گروہ شام گیا لیکن جب واپس مدینہ لوٹا تو بجائے یزید کی مدح وثناء کہ، اس کی مخالفت شروع کردی، (**لیس لہ دین، یشرب الخمر، یغرف بالطنابیر و یضرب عندہ القیان و یلعب بالکلب**)

'وہ بے دین ہے، شراب نوشی کرتا ہے، موسیقی کے ابزار بجاتا ہے، اور غلام اس کے سامنے گاتے اور بجاتے ہیں، اور کتوں کے ساتھ کھیلتا ہے'۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اس کی اطاعت نہیں کرتے اور یزید کو خلافت سے دستبردار کرتے ہیں'۔ (تاریخ طبری ج ۴،ص ۳۶۸، انساب الاشراف ج ۴،ص ۳۱)

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تینوں وجوہات واقعے کی دلیل بن گئیں۔ بلاذری نے پہلا نکتہ عنوان کرنے کے بعد تیسرا نکتہ بھی بیان کیا ہے۔ اور یقیناً حجاز میں ابن زبیر کی حمایت بھی وجوہات میں سے ایک وجہ ضرور ہے۔ اسی طرح دوسرا نکتہ یعنی بنوامیہ کی عداوت اور دشمنی کا باعث بنا۔

تاریخی کتب اور منابع میں حجاز کے لوگوں کو ''ابوبکری'' اور ''عمری'' کی شہرت حاصل ہے،

شامیوں کو ''امویوں'' کی شہرت حاصل ہے اور اسی طرح عراقیوں کو ''تشیع'' جیسے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ بنی امیہ نے ہمیشہ اہل حجاز کو اور بخصوص اہل مدینہ کو عثمان کے قتل میں مجرم ٹہرایا ہے۔ اسی وجہ سے اہل مدینہ اور بنی امیہ کے درمیان کسی مصالحت کا امکان نہ تھا۔

یزید نے سرکردہ افراد کے ذریعے مدینہ کے لوگوں کو امن وسکون کی دعوت دی لیکن اہل مدینہ نہ مانا۔ طبری نے عمرو بن سعید سے نقل قول کیا ہے: ''مکہ اور مدینہ کے سب لوگ ابن زبیر کے حامی تھے'' (تاریخ طبری ج۴،ص۳۶۹، انساب الاشراف ج۴،ص۳۲)۔

یزیدی حکومت کے خلاف قیام کرنے والوں نے بنی امیہ اور ان کے تقریباً ایک ہزار اعوان و انصار کو مروان بن حکم کے گھر میں نظر بند کر دیا (تاریخ طبری ج۴ص۳۷۰، انساب الاشراف ج۴ص ۳۲) اور بعد میں نہایت ہی ذلت وخواری کے ساتھ، بچوں نے پتھر مار مار کر شہر سے باہر نکال دیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج۱،ص۲۰۸)

باغیوں نے اس شرط پر امویوں کو شہر بدر کیا کہ وہ قسم یاد کریں کہ ہرگز شام کی فوج کے ہمراہ مدینہ واپس نہیں آئینگے، ان سب نے قسم اٹھائی۔ لیکن اس کے باوجود مروان جیسے پلید فرد (الامامۃ والسیاسۃ ج۱،ص۲۱۰) اور دیگر افراد نے قسم توڑ ڈالی۔ واقدی نے، بنی امیہ کہ اس اخراج کا ذمہ دار زبیر کو ٹہراتے ہوئے لکھا ہے: ''مکہ، مدینہ اور دیگر علاقوں سے اخراج کیے جانے والوں کی مجموعی تعداد ۴۰۰۰ تھی'' (انساب الاشراف ج ۴،ص۳۷، ۳۸)۔ ابن اعثم لکھتا ہے کہ اس قیام کے سربراہ عبداللہ بن حنظلہ (غسیل الملائکہ) تھے جو ابن زبیر کی جانب سے مدینہ کے والی مقرر ہوئے تھے۔ (الفتوح ج۵،ص۲۹۲،۲۹۳)

مدینۃ الرسولؐ پر یزید کی یلغار:

اس بغاوت کو رام کرنے کے لئے جب یزید اپنی سیاسی تدبیروں میں ہار گیا، تو اس نے پانچ ہزار کا ایک لشکر مدینہ کی جانب روانہ کیا جس کی قیادت مسلم بن عقبہ کو دی۔ تاریخ میں مسلم بن عقبہ کے نہایت سفاک اور وحشیانہ رویے کی وجہ سے ''مسرف بن عقبہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

(تاریخ الیعقوبی ج۲،ص۲۵۰)

البتہ بعض نے اس امکان کا بھی اظہار کیا ہے کہ شاید شامی فوج کی تعداد اس سے زیادہ ہوسکتی

ہے۔اس شامی لشکر کو ہدایت دی گئی تھی کہ ''مدینہ کی فتح کے بعد شہر مدینہ میں لوٹ مار کی اجازت ہے اور جو مال غنیمت ملے سپاہی اس کا مالک ہوگا'' (الامامۃ والسیاسۃ ج۱،ص۲۰۹، تاریخ طبری ج۳،ص۳۷۲) شام سے نکلتے وقت انہیں ان کے تمام وظائف اداء کردیئے گئے اوراس سے علاوہ ایک سو دینار اضافی طور پر دیئے گئے (انساب الاشراف ج۴،ص۲۳ ،تاریخ طبری ج۴،ص۳۷۱)

مدینہ کے لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر جس جگہ پر رسول اللہ ﷺ نے جنگ خندق کے لئے مورچے بنائے، اسی مقام پر انہوں نے خندق کھودی۔ بوڑھے، جوان، مرد وزن سب نے مضبوط دفاعی مورچے بنائے۔ مدینہ والوں کی کمان عبداللہ بن مطیع، معقل بن سنان اوران کے سرکردہ عبداللہ بن حنظلہ تھے کہ جو واقعہ حرہ میں اپنے بیٹوں کے ہمراہ قتل ہوئے۔

جب سپاہ شام مدینہ پہنچی تو عبدالملک بن مروان کے مشورے سے، کے جسے دیگر امویوں کے ساتھ مدینے سے نکالا گیا تھا، حرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے اور مروان نے زر وزیور اور کھوکھلے وعدوں کیساتھ (الامامۃ والسیاسۃ ج۱،ص۲۱۱) بنی حارثہ کہ ایک گروہ کو فریب دیا تاکہ ان کے ذریعے شہر میں وارد ہوسکیں، درحقیقت ان کا شہر میں ورود، حملہ اور جھڑپیں ایک دن سے زیادہ طویل نہ تھی، جس کے بعد شہر مدینہ پر شامیوں کا قبضہ ہوگیا (الامامۃ والسیاسۃ ج۱،ص۲۱۰)

یزید کے وعدے کے مطابق تین روز تک شہر مدینہ، سپاہ شام پر حلال کردیا گیا اورانہوں نے بھی کسی جرم و جنایت کوئی قصر نہ چھوڑی۔ اس واقعے میں جہاں بے شمار مسلمان قتل وغارت ہوئے، وہاں بے شمار عورتوں کی عصمت پامال ہوئی۔ (انساب الاشراف ج۴،ص۳۷، تاریخ الیعقوبی ج۲،ص۲۵۰، الفتوح ج۵،ص۲۹۵) مسلم بن عقبہ نے بے شمار اسیروں کو قتل کیا کہ جن میں اہل قریش بھی شامل تھے۔ (تاریخ الیعقوبی ج۴،ص ۳۷۸) مقتولین میں صحابہ رسول ﷺ بھی شامل تھے، جنہیں قتل کرنے کے بعد ان کے سرتن سے جدا کردیے گئے۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج۱،ص۲۱۳)

مدینہ میں مقتولین کی تعداد

ابن قتیبہ کے مطابق مرنے والوں کی تعداد میں ایک ہزار سات سو افراد انصار ومہاجرین اوران کی آل واولاد، جبکہ دیگر لوگوں کی تعداد دس ہزار افراد تھی۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج۱،ص۲۱۵) ہیثم بن عدی

نے، ہلاک ہونے والوں کی تعداد چھے ہزار پانچ سوافراد بتائی ہے۔(الامامۃ والسیاسۃ ج ۱،ص ۲۲۰)

مسعودی لکھتا ہے: قریش سے نوے سے زائد افراد، اتنی ہی تعداد انصار کی اور چار ہزار افراد وہ ہیں جن کی پہچان ممکن تھی۔(انساب الاشراف ج ۴،ص ۴۲)

ابن اعثم نے، مہاجرین میں سے ایک ہزار تین سوافراد، اور انصار میں سے ایک ہزار سات سوافراد ذکر کیے ہیں۔(الفتوح ج ۵،ص ۲۹۵)

ان اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اہل مدینہ کی ایک بڑی تعداد اس ظلم و ستم میں ہلاک ہوئے جن میں انصار و مہاجرین اور صحابہؓ بھی شامل تھے؛ بے شمار عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں، بے شمار گھر لوٹ کھسوٹ کے بعد نظر آتش کر دئے گئے۔

عوانہ بن حکم بیان کرتا ہے: ''جس وقت بنی حارثہ کی جانب سے سپاہ شام شہر میں داخل ہوئی، سوای اسامۃ بن زید اور حمیر خاندان کی ایک عورت کے مکانات کے علاوہ کوئی مکان غارت اور لوٹ مار سے محفوظ نہ بچا۔ اموی افواج نے مدینہ والوں کے ساتھ جنگ کی اور انہیں یہودی خطاب کیا۔(انساب الاشراف ج ۴،ص ۳۷) حرہ کی دہشت گردی میں صرف انصار ہی نہیں بلکہ مہاجرین بھی، امویوں کی بربریت کا نشانہ بنے۔

چند اہم نکات:

۱۔ سیاسی نکتہ نظر سے بلا شک و تردید واقعہ حرہ کے علل و اسباب میں ۶۰ ہجری کی دھائی میں رونما ہونے والے واقعات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس ضمن میں ایک اور اہم دلیل جو سامنے آتی ہے وہ ۳۶ ہجری میں عثمان کا قتل اور اس میں اہل مدینہ کا کردار تھا۔ بنو امیہ نے عثمان کی حمایت میں بے حساب و کتاب دولت خرچ کی اور وہ عثمان کے قتل میں اہل مدینہ کو ہی اصلی ملزم ٹھہراتے تھے۔ یزید کا نظریہ یہ تھا بنی امیہ نے واقعہ حرہ کے ذریعے اہل مدینہ سے قتل عثمان کا بدلہ لیا ہے۔(ابوالفرج الاغانی۔ج ۱،ص ۱۴)

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ حیات میں، مسلم بن عقبہ، غطفان کے مقام پر گرفتار کیا گیا، اور انصار کی ایک خاتون نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ لیکن جب واقعہ حرہ میں مسلم بن عقبہ کو انصاری خاتون کا

احسان یاد کرایا گئے اور یہ کہ اس کے بدلے ان کی جانبخشی کر دے، مسلم بن عقبہ نے جواب دیا، ''**لکنکم قتلتم عثمان**''۔(انساب الاشراف۔ج ۴،ص ۳۷)''لیکن تم لوگوں نے عثمان کو قتل کیا''۔

جب اس واقعہ کی خبر یزید تک پہنچی تو اس نے قریش کے شاعر ابن زبعری کا وہ شعر جو اس نے جنگ احد میں پڑھا تھا، بڑے فخر وغرور کے ساتھ پڑھا؛''**لیت اشیاخی ببدر شهدوا**''(اخبار الطّوال ص ۲۶۷) اے کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ دیکھتے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریش نے انصار مدینہ سے بدر کی ہلاکتوں کا بدلہ لیا تھا۔سپاہ شام کا مدینہ پر حملہ کے وقت نعرہ یہ تھا''**یا لثارات عثمان**'' (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱،ص ۲۰۸) مسلم نے حرہ کے واقعہ کے بعد کہا: اب عثمان کے قاتلوں کو قتل کر کے میرا دل مطمئن ہو گیا۔(انساب الاشراف ج ۴،ص ۴۱)

یہ سب دلایل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کے بنی امیہ کے دل اپنے اسلاف ابوجہل اور ابو لہب کی اتباع و پیروی کر رہے تھے،اور ان کے دلوں میں اسلام کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔بنی امیہ اب بھی زمانہ جاہلیت کے باطل رسم ورواج کی پیروی کر رہے تھے۔تاریخ گواہ ہے کہ ان کا کوئی عمل بھی اسلام کے دستور کے مطابق نہ تھا۔ظاہری فسق وفجور سے لے کر جاہلیت کے رسم ورواج کی پیروی،غرض کے ہر طرح کی برائی ان میں پائی جاتی تھی۔اسلام کو سب سے زیادہ نقصان جہالت اور گمراہی نے ہی پہنچایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ابتداء ہی سے جہالت اور جاہلیت کی مخالفت کی ہے اور جس کی وجہ بنیادی وجہ عقل اور تفکر کی مخالفت ہے۔اسلامی اصول وقوانین،عقل وفطرت پر استوار ہیں اور ہر اس چیز کو تسلیم کرتے ہیں جو عقل وفطرت کے مطابق ہو۔بنی امیہ کا کردار پوری طرح سے خلاف فطرت کی عکاسی کرتا تھا۔اور اسلام و کفر میں سب سے بڑا فرق بھی یہی ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور کفر خلاف فطرت ہے۔

بنی امیہ، بنی عباس،اور دوسرے سارے فرق ایک ہی وجہ اشتراک رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ سب جاہلانہ رسموں کی پیروی کرتے ہیں اور فطرت کے مخالف ہیں۔عبدالملک بن مروان نے واقعہ حرہ کے بعد اہل مدینہ سے کہا:''**انکم لا تحبوننا و انتم تذکرون یوم الحره و نحن لا نحبکم ابدا و نحن نذکر مقتل عثمان**'' (مروج الذہب۔ج ۳،ص ۱۲۲)

۲۔دوسرا نکتہ یہ ہے کہ شامی دو اصولوں پر سخت پابند تھے؛''خلیفہ کی اطاعت''اور''جماعت میں وحدت''۔

بنی امیہ، اہل شام سے ان دو اصولوں پر سختی سے عمل درآمد کرواتے تھے۔ سپاہ شام کو مدینہ روانہ کرنے کیلئے انہی دو اصولوں پر اصرار کیا۔ (تاریخ طبری۔ ج ۴، ص ۳۷۴-۳۷۵)

مسلم بن عقبہ، جو خود انہی اصولوں پر کاربند تھا، مدینہ پر حملہ کرنے اور اس کی حرمت شکنی کے لیے پوری آمادگی کے ساتھ آیا تھا۔ مدینۃ النبی پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے کے بعد کہتا تھا: ''اے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی بھی کسی خلیفہ کی، نہ ظاہر میں اور نہ ہی باطن میں نافرمانی نہیں کی ہے! اور میرے نزدیک تجھ پر عقیدے ''لا الہ الا اللہ'' کے بعد بہترین عمل اہل حرہ کا قتل عام ہے! (انساب الاشراف ج ۴، ص ۴۰، ابن اعثم ج ۵، ص ۳۰۱)

وہ کہتا تھا: ''میری دیرینہ آرزو یہ ہے کہ مرتے وقت میں پاک ہو جاؤں اور میری یہ تمنا، ان نجس لوگوں کو قتل کر کے پوری ہوئی''۔ (انساب الاشراف ج ۴، ص ۴۱)

اس قسم کے اعترافات اور کفرآمیز عقیدے صرف دشمنان اسلام سے ہی سننے کو ملتے ہیں۔ مدینہ کے مسلمانوں اور خصوصاً صحابہ رسول ﷺ کو ''نجس جسم'' کہنا، کسی انسان کو قتل کر کے مسرور ہونا، خود کو خلیفہ کا مخلص کہنا لیکن خدا، رسول اور دین سے اخلاص کا کوئی ذکر نہ کرنا! یہ سب اس بات کی ثبوت ہیں کہ بنی امیہ نہ صرف اسلام سے دور تھے بلکہ انسانی اقدار سے بھی عاری تھے۔ آج بھی یہ گمراہ گروہ اپنے اسلاف کی سیرت پر چلتا ہوئے اور دہشتگردی کو فروغ دیتے ہوئے دیکھائی دیتا ہے۔

حصین بن نمیر، جو مسلم بن عقبہ کا نائب اور جانشین تھا، اور جو حرہ کے واقعہ کے بعد مکہ کے راستے میں ہلاک ہوا، بتایا جاتا ہے کہ مرتے وقت وہ کہہ رہا تھا: ''**اللهم انک تعلم انی لم اشاق خليفة و لم افارق جماعة قط فاغفرلی**'' (انساب الاشراف ج ۴، ص ۴۲؛ تاریخ طبری ج ۴، ص ۳۸۲) اے خدا جو جانتا ہے کہ میں نے بھی خلیفہ کو ناراض نہیں کیا ہے اور نہ ہی میں نے کبھی جماعت سے جدا ہوا ہوں، پس مجھے بخش دے!

ان افکار کو جان کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بنی امیہ کے افکار وعقائد، کفر و جہالت پر مبنی تھے۔ جس کی تجلی مسلم بن عقبہ کے افکار و کردار میں نظر آتی ہے۔ مسلم بن عقبہ کے ظلم و بربریت کا تذکرہ طبری، ابن قتیبہ اور بلاذری نے تفصیل کے ساتھ اپنی تواریخ میں ذکر کیا ہے، لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ دور

حاضر میں ایسے افراد پیدا ہو جاتے ہیں جو بنی امیہ کا دفاع اور تبرۂ کرتے دیکھائی دیتے ہیں۔ (تاریخ الدولۃ العربیۃ ص ۱۵۶)۔ یہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ مدینہ وشام کے اختلافات کو محض ایک سیاسی چپکلش ظاہر کر کے بنی امیہ کے دامن کو ہر طرح کے عیب والزام سے بری کر دیں۔ البتہ ہم مدینہ والوں کو اس مسئلہ میں بے قصور یا حق بجانب نہیں سمجھتے ہیں، لیکن ایسا بھی نہیں ہے اس واقعہ میں ہم دینی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیں۔ الغرض یہ کہ واقعہ حرہ ایک نہایت ہی مضبوط دستاویز ہے ان لوگوں کے لئے جو حق و باطل کو پہچاننا چاہتے ہیں۔

البتہ ہر واقعہ اور حادثہ جہاں دشمنوں اور ظالموں کیلئے گمراہی وعذاب کی نوید ہے وہاں مومنوں کیلئے باعث عبرت وہدایت بھی ہے (فاعتبروا یا اولی الابصار)۔ واقعہ حرہ کا ایک پیغام کفر کا آپس میں اختلاف ہے؛ یعنی کافر اور ظالم کا آپس کا اتحاد دیرپا نہیں رہتا اور اس کی وجہ ان کا کفر اور ظلم ہے کیونکہ کفر وظلم پایدار خود بھی پایدار نہیں۔ اور یہ کہ ہر وہ اجتماع جس میں رضای الٰہی شامل نہ ہو تحقیقاً شکست سے دُچار ہوتا ہے۔

ایک اور عبرت یہ کہ کفر بھی اگر اسلامی اصولوں پر عمل کرے گا تو بظاہر ہی صحیح نصرت وکامرانی حاصل کرے گا۔ مسلم بن عقبہ نے اور حصین بن نمیر نے بھی انہی دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا؛

(۱) خلیفہ کی اطاعت

(۲) جماعت میں وحدت

یہی وہ دو عنصر ہیں جن کی پیروی سے دشمن کو فتح ونصرت حاصل ہوتی ہے اور جنہیں کم اہمیت سمجھنے سے اہل حق شکست سے دچار ہو جاتے ہیں۔ جنگ بدر میں قلیل جماعت کو کثیر پر فتح نصیب ہوئی اور احد میں امر ولایت کو ترک کرنے سے یقینی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ کربلا میں اصحاب ویاران امام حسین- نے اطاعت امر ولایت سے دشمن کو شکست فاش دلائی۔

امام زین العابدینؑ کا سیاسی کردار:

امام سجاد علیہ السلام کے دور امامت کو معصومین ÷ کی زندگی کا سب سے دشوار اور کٹھن دور کہا جا سکتا ہے۔ امام زین العابدینؑ نے ایسے وقت میں امامت سنبھالی کے جب اہل بیتؑ کے اصحاب ویاران

میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور امیر المومنینؑ کے اصحاب باوفا اکثر و بیشتر امام حسنؑ کے زمانہ حیات تک شہید ہو چکے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے وہ کربلا میں امام حسینؑ کے ہمراہ جام شہادت نوش کر گئے۔

جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ کربلا کے بعد امام سجاد- کی زندگی کے دو دور تھے

(۱) پہلا دور: شہادت امام حسینؑ سے لے کر اسارت تک

(۲) دوسرا دور: اسارت سے رہائی کے بعد مدینہ واپسی سے لے کر شہادت تک

پہلے دور میں امام سجادؑ نے شہداء کی عظمت، شجاعت اور مظلومیت کا پیغام، جرأت اور شجاعت کے ساتھ کربلا سے کوفہ اور کوفہ تا شام پہنچایا۔ امامؑ نے اپنے شجاعانہ اور حکیمانہ خطبات کیساتھ خوف و ہراس میں گرفتار امت مسلمہ کو حیرت و پریشانی سے نجات دلائی۔ امام سجاد- نے دوران اسارت معمولی سی بھی نرمی کا مظاہرہ نہ کیا۔ جس طرح سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہر امام- کے اصلی اہداف و مقاصد (Startegy) میں حکومت عدل الٰہی کا قیام شامل ہے، اور اس مقصد کے لئے امام سجاد- نے حالات کے پیش نظر، مناصب حکمت عملی (Tactics) کے ذریعے بنیادی مقصد کو فروغ دیتے رہے۔ بنی امیہ کی ظلم و ستم پر مبنی سیاست و جہالت کے پیش نظر امام- نے ایک جامع حکمت عملی کے تحت دو پالیسیوں پر عملدرامد کیا؛

ا۔ پہلا طریقہ: دعا اور مناجات، کہ جو صحیفہ سجادیہ میں متجلی ہے

۲۔ دوسرا طریقہ: وعظ اور نصیحت، کہ جو عموماً امام سجادؑ کی روایات اور بیانات میں تجلی پیدا کرتی ہے۔

ان دو پالیسیوں کے تحت امام سجادؑ نے اپنے حقیقت پر مبنی حکیمانہ، اندیشمندانہ، اور موحدانہ افکار کو بہترین انداز میں امت تک پہنچایا۔

۲.امت مسلمہ کو اہلبیتؑ کی حقانیت سے روشناس کرانا اور حکومت اسلامی میں اولی الامر کی تبیین و تفہیم اور مقام ولایت فقیہ کی ضرورت و اہمیت کا اجاگر ہونا۔

۳.مکتب تشیع کیلئے ایک مضبوط سیاسی اعتقادی تنظیمی ڈھانچے کی اساس اور بنیاد؛ جس پر اسلامی نظام حکومت کی بنیاد رکھی جا سکے

ان تین شرائط کی فراہمی کو ممکن بنانے کیلئے امام سجادؑ نے اپنی ساری زندگی احادیث و روایات،

وعظ ونصیحت، خط وکتابت اور حکمت عملی کے ذریعے، اسلامی حکومت کی تشکیل کیلئے کوشش کرتے رہے۔ البتہ امام- کی یہ رای نہیں تھی اپنے زمانے میں ہی اس امر کوممکن بنائیں، بلکہ امام- کا صحیفہ سجادیہ کی تصنیف و تالیف اور غلاموں اور کنیزروں کی اعلیٰ تعلیم وتربیت اس چیز کا ثبوت ہے کہ امامؑ نے مستقبل کیلئے دعاؤں کے ذریعے نصاب بھی تیار کیا اور اغلام کے ذریعے مستقبل کے اصحاب آمادہ کئے۔

امام سجادؑ اور واقعہ حرہ:

شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر امام معصومؑ نے اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے حکمت عملی اپنائی اور اسلامی نظام حکومت کے قیام کے لئے راہ ہموار کی۔ شیعہ اثنی عشری کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر امام معصوم نے اپنی ذمہ داری احسن اور اکمل طریقے سے مکمل فرمائی یہاں تک کہ ہم کہہ سکتے ہیں اگر بالفرض امام حسینؑ، امام سجادؑ کے زمانے میں ہوتے تو یقیناً وہی حکمت عملی اور پالیسی اپناتے جو امام سجادؑ نے اپنائی تھی۔ اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ہر کام سے پہلے تمام ان امور کا بخوبی جایزہ لیتے ہیں جن کی بدولت مناسب حکمت عملی سے قیام حکومت اسلامی کی راہ بھی ہموار ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ بنی نوع انسان کو مقاصد الٰہی سے متعارف بھی کرایا جا سکے۔ اب اگر ہم واقعہ حرہ کو دوبارہ سے اپنے اذہان میں گزاریں تو ہمیں امام سجادؑ کی واقعہ حرہ سے اجتناب اور دوری کی وجوہات سمجھ آجائیں گی۔ یہاں پر ہم صرف چند دلائل کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں؛

۱۔ اصحاب ویاران کا فقدان

۲۔ کربلا کے بعد لوگوں میں خوف وہراس

۳۔ بنی امیہ اور دشمنان اسلامی کی طرف سے اسلامی اصولوں کی تحریف

۴۔ کفر وجہالت پر مبنی افکار ونظریات کا عام ہونا (جس سے لوگ خدا سے دور ہو گئے)

۵۔ لوگ دنیا طلبی میں گرفتار اور آخرت سے دور

۶۔ اموی سازشوں اور اسلام مخالف پراپیگنڈا نے لوگوں میں اہلبیت ÷ سے نفرت پیدا کر دی؛ یہاں تک کہ نماز میں اور منابر سے اہلبیت رسول اللہ ﷺ پر اعلانیہ بیزاری کا اظہار کیا جاتا،

۷۔ فقر وتنگدستی، خوف وہراس اور دہشتگردی کے باعث، بنی امیہ نے مکتب تشیع کو مزحل کر دیا،

اگرامام سجادؑان حالات میں مسلح قیام کرتے یاحتی اس میں شرکت یاتعاون بھی کرتے؛ بےشک زبان سے ہی ترغیب دلاتے؛اس صورت میں شیعت مکمل پرصفحہ ہستی سے ناپید ہوجاتی اور پھرمکتب اہل بیت÷اورنظام ولایت وامامت کامستقبل ہمیشہ کیلئے اختتام پذیر ہوجاتا۔

یہی وجہ ہے کہ امام سجادؑ،اعلانیہ طور پرکسی قسم کے قیام اورانقلاب کی حمایت نہیں کرتے تھے، بلکہ قیام مختار کی بظاہر مخالفت بھی کردی تاکہ اسلام کے اصلی اہداف ومقاصد کومحفوظ رکھ سکیں۔اس لیے کے اگر مختار کا قیام کامیاب ہوجاتا تو وہ بہرصورت حکومت امام- ہی کہ سپرد کرتا،لیکن بصورت شکست،امامؑ کے بنیادی اہداف بھی شکست سے دچار رہوجاتے،اورمکتب تشیع اوراسلام ناب محمدیﷺ بھی ختم ہوجاتا۔

واقعہ حرہ میں امامؑ کی حکیمانہ اور مدبرانہ حکمت عملی کا نتیجہ تھا کہ اسلام اوراس کے اہداف اور مقاصد محفوظ بچ گئے۔ یہاں پراس بات کا تذکرلازمی ہے کہ باوجوداس کے کہ امام سجادؑ نے واقعہ حرہ سے اجتناب کیا،لیکن تقریباً۴۰۰ سے زائداہل مدینہ کواپنے مکان میں پناہ دی،جن میں مروان بن حکم کی بیوی، عثمان بن عفان کی بیٹی اورعبداللہ بن عمربھی شامل تھے۔ جوامام علیہ السلام کے فوق بشری کمالات کا بہترین نمونہ ہے۔اور جہاں تک تعلق ہےان احادیث اورروایات کا کہ جن میں امام کی امیہ خاندان سے قربت کا اظہار کیا گیا ہے، ایسی روایات سند کے لحاظ سے ضعیف اور مرسل ہیں۔ البتہ اگران ضعیف روایات کوتسلیم کربھی لیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ مقام تقیہ کی وجہ سے امامؑ نے سکوت وخاموشی یابظاہر بے طرفی کا اظہار کیا ہو۔البتہ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اس واقعہ کی شدید مزمت کرتے ہوئے اسے بنی امیہ کے ظلم وستم کی ایک گھنونی دستاویزذکرکیا ہے۔

منابع

۱.امام زین العابدین کی حیات از آیت اللہ العظمی سید علی الحسینی الخامنہ ای
۲.واقعہ حرہ؛ایک نئی تحقیق/رسول جعفریان
۳.تاریخ طبری
۴.مروج الذہب
۵.الامامۃ والسیاسۃ
۶.ابن اعثم
۷.انساب الاشراف
۸.تاریخ الیعقوبی
۹.مختصر تاریخ دمشق
۱۰.الفتوح
۱۱.تاریخ الدولۃ العربیہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کتاب شناسی:

محموداحمدعباسی (م۔۱۹۷۴ء) کی کتاب ’’خلافت معاویہ ویزید‘‘اوراس کے ردود۔

سید حسین عارف نقوی
مئولف، کتاب شناس، محقق، تذکرہ نویس، اسلام آباد

برصغیر میں ناصبیت کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی اشاعت اسلام کی تاریخ مراز حیرت دھلوی نے اپنی کتاب ’کتاب شہادت‘ میں واقعات کربلا کو ایک افسانہ بتایا اوراپنا ’ووٹ‘ یزید کے پلڑے میں ڈالا مابعد مولانا عبدالشکور لکھنوی (م۱۹۶۱ء) کے رسالے ’النجم‘ میں ان مفاہیم پرمبنی مضامین شائع ہوئے مثلا ایک مضمون نگار باغیان خلافت کے خلاف وعید، عذاب اورعقوبت وسزاوالی حدیثون کو بیان کرنے کے بعدلکھتا ہے۔

’’تمام روایتوں پرنظرڈالنے سے معلوم ہوتاہے کہ رسول اکرم ﷺ کسی طرح یزید کی مخالفت پررضامندنہ تھے‘‘۔[۱]

اس کے بعد مولانا محمد منظور نعمانی کے رسالے ’الفرقان‘ لکھنو نے ان خیالات کوآگے بڑھایا [۲] آپ کے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے اس تحریک کوآگے بڑھایا۔[۳]

بابائے اردو مولوی عبدالحق (م۱۹۶۱) کے رسالے ’اردو‘ کراچی بابت ماہ جنوری ۱۹۵۶ء میں ابو النصر مصری کی کتاب ’الحسین‘ کے ترجمہ پرتبصرہ شائع ہوااس تبصرہ پرتبصرہ رسالہ ’تذکرہ‘ کراچی میں بارہ اقساط پرمشتمل دوسال تک عباسی صاحب کا تبصرہ شائع ہوتا رہا دیوبندی مکتب فکر کے مشہور عالم اورمولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر ’صدق جدید‘ کی خواہش پران اقساط کوکتابی صورت میں شائع کیا گیا[۴] اس بدنام زمانہ کتاب کے شائع ہونے پرمولانا مفتی حفیظ الدین احمد تائب مقیم

دھلی اپنی پیرانہ سالی میں دہلی سے مصنف کومبارکباد دینے کے لیے کراچی آئے اورایک قطعہ تاریخ (فارسی)بھی لکھا۵

دیو بندیوں کی شیعہ مخالف مشہور تنظیم 'تنظیم اہلسنت' کے بانی سردار احمد خان پتافی (م۱۹۶۰ء) نے اس کتاب پر تقریظ لکھی جسمیں اطلاع دی گئی کہ

''امیر یزید بن حضرت معاویہ کے عہد میں واقعہ کربلا وقوع میں آیا لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس کے بعد جب حضرت زین العابدینؑ امیر یزید کے پاس پہنچے تو ان کو (یزید) اس حادثہ پر متاسف اور پریشان پایا ان کو توقع نہ تھی کہ یہ ماجرا حضرت حسینؑ کی شہادت تک پہنچ جائے گا۔۶

اس تنظیم کے معروف علماء میں مولانا دوست قریشی (م۱۹۷۴ء) مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری (م۱۹۸۴ء)' مولانا ضیاء الحق قاسمی (م۲۰۰۰ء) پروفیسر خالد محمود اور مولانا عبدالستار تونسوی شامل ہیں بلکہ مولانا تونسوی کو اس تنظیم میں شامل کرنے کے لیے پتافی صاحب کی سربراہی میں علماء کا ایک وفد تونسوی صاحب کے پاس گیا اور وہ اس وقت اس تنظیم کے سربراہ ہیں۔ ۷اس تنظیم نے جلد ہی اپنے رسالے ماہنامہ 'تنظیم اہلسنت' لاہور دسمبر ۱۹۶۴ء میں 'معاویہ نمبر' نکالا اس رسالے کے روح رواں علامہ دوست محمد قریشی (م۱۹۷۴ء) تھے 'خلافت معاویہ و یزید' کا تعارف مصنف کے عزیز علی احمد عباسی نے لکھا تھا۔۸ عجب اتفاق ہے کہ اس نمبر کا پہلا مضمون 'سیدنا معاویہ بن ابی سفیان' علامہ علی العباسی بھی انہیں کا تحریر کردہ ہے۹

اس کے بعد عباسی صاحب کی کتاب کے حق میں بیسیوں کتابیں اور کتابچے لکھے گئیں۔مثلاً (۱) رشید ابن رشید: ابو یزید بٹ (۲) اسلام کے اچھے نام۔معاویہ و یزید: محمد فاروقی (۳) اصحاب رسول اور حقیقت کربلا ابو یزید محمد دین بٹ (۴) اظہار حقیقت جواب خلافت و ملوکیت: مولانا محمد اسحاق صدیقی ۔(۵) القول السدید: مولانا محمد صہیب رومی مچھلی شہری۔

اس کتاب کا دوسرا نام 'عقد الفرید بجواب شہید کربلا و یزید' شہید کربلا و یزید' بجواب خلافت معاویہ و یزید۔مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تصنیف ہے۔(۶) القصیدہ الزھرا : علامہ تمنا عمادی (۷) حیات سیدنا یزید: ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی ۱۰

چونکہ دیوبندیوں کی طرف سے عباسی صاحب کی کتاب کے حق میں زیادہ مواد شائع ہوا اس لیے دارالعلوم دیوبند کی مالی امداد میں کمی واقع ہوئی اس لیے مہتمم نے اس کے رد میں ایک کتاب بنام 'شہید کربلا اور یزید' شائع کی ۱۱ عباسی صاحب نے مذکورہ بالا کتاب کا رد اور ان کی کتاب پر وارد ہونے والے دیگر اعتراضات کا رد بنام تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہ و یزید شائع کیا اہلسنت کی طرف سے بھی عباسی صاحب کی کتاب کے کافی ردود لکھے گئے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔حضرت امام حسین شہید	:	مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری
۲۔تواریخ المعاویہ	:	گویا جہان آبادی (م ۱۹۷۱ء)
۳۔حسینؑ و یزید	:	مولانا محمد یوسف لدھیانوی (م ۲۰۰۰ء)
۴۔کتاب 'خلافت معاویہ و یزید پر ایک نظر'	:	مولانا محمد ادریس ندوی
۵۔ایک رسوائے عالم کتاب	:	حیات اللہ انصاری
۶۔معاویہ و یزید	:	حافظ علی بہادر خان
۷۔قول سدید	:	ضیاء احمد بدایونی
۸۔حضرت معاویہ و استخلاف یزید	:	مولانا سید لعل شاہ بخاری (م ۱۴۱۰ھ)
۹۔کربلا کا مسافر	:	علامہ مشتاق احمد نظامی

اب ہم چندان ردود کا ذکر کرتے ہیں جو شیعوں کی طرف سے لکھے گئے۔

۱۔آئینہ حقائق : سید حشمت علی جعفری

حیدرآباد (سندھ) مکتبہ افکار اسلامی گاڑی کھاتہ، ۱۹۶۱ء ص۔۰۷

۲۔تاریخ اسلام کا تاریک دور : سید منظور حسین بخاری (م ۱۹۸۰ء)

''محمود احمد عباسی کے خارجیانہ انداز فکر اور ناصبیانہ طرز تحریر کا قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کے مسلمات کی روشنی میں مدلل جواب بخاری صاحب مرحوم نے یہ کتاب کیوں لکھی اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں: ''ایسی اسلام سوز کتاب کی اشاعت سے عوامی ذہنوں کا خارجیت کی طرف مائل ہو جانے کا خدشہ تھا لہذا اسی ضرورت دینی کے پیش نظر عالی جناب سید افضل حسین شیرازی ناظم اعلی مکتبۃ المفید سرگودھا کی فھمائش پر

موفق حقیقی نے بندے کوتوفیق ارزانی فرمائی۔ص ۸

عنوانات: یزیدیت کے حامی محمود عباسی کے خرافات ،محمود عباسی کے ماخذ، اموی سیاست کا پس منظر، دور بنی امیہ اور مشاہیر عصر حاضر: حضرت امیر کے زمانے میں فتوحات کیوں نہ ہوئیں ۔علی مرتضیٰ پر سب وشتم کے احکامات، یزید کے مختصر حالات زندگی، یزید قتل حسین سے راضی تھا عباسی صاحب کی حساب دانی۔

سرگودھا:مکتبۃ المفید ،اگست ۱۹۵۹ء ۱۵۶ص

۳۔اموی دور خلافت (جلداول) : مولانا محمد باقر نقوی مدیر اصلاح کھجوا(بہار)

کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے زمانہ جاہلیت کے بنی امیہ اموی دور خلافت ،عبداللہ بن سبا، امیر المومنین علی بن ابی طالب کا دور خلافت ، جنگ جمل وصفین اوران کے حقیقی اسباب ،خلافت امیر المومنین اور فتوحات امیر المومنین کی شہادت معاویہ بن ابی سفیان

لکھنو: کتب خانہ اکبری دروازہ،۱۹۵۹ء۴۱۶ص

۴۔تحریک حسین- آغا محمد سلطان مرزا(م ۱۹۶۵ء)

ابھی عباسی صاحب کا تبصرہ رسالے میں چھپ رہا تھا اسی دوران یعنی کتابی شکل میں شائع ہونے سے پہلے احاطہ تحریر میں آیا اور شائع ہوا۔

راولپنڈی۔ پاکستان حسینی مشن،۱۹۵۶ء ۷۹ص

۵۔تنقید وتردید کتاب معاویہ ویزید از کتب ھائی جدید : حسین بخش ہمدانی

خلافت معاویہ ویزید کی رد میں اہلسنت کی طرف سے جو کتابیں لکھی گئیں ۔زیر نظر کتاب میں ان سے اقتسابات پیش کئے گئے ہیں۔

ملتان:انجمن ناصر العزاء، مئی۱۹۶۱ء ۵۴ص

۶۔الحسین کے تبصرے کا علمی جائزہ: علامہ سید علی نقی نقوی (م ۱۹۸۸ء)

بابائے اردو مولوی عبدالحق (م ۱۹۶۱ء) کے سہ ماہی رسالے 'اردو' کے جنوری ۱۹۵۶ کے شمارے میں عمرابو النصر کی کتاب 'الحسین' کے اردو ترجمے پر (م۔ا۔ع) یعنی محمود احمد عباسی (م ۱۹۷۴ء) کا تبصرہ شائع ہوا زیرنظر اس تبصرے پر تبصرہ ہے۔

لاہور:امامیہ مشن پاکستان،۱۹۶۴،۱۶ص

۷۔خلافت یزید کے متعلق آزادرائیں اورضمیر کی آوازیں : علامہ سید علی نقی

تاریخ طبری کے باب امارت یزیداز تاریخ طبری کا خلاصہ اس سے نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔

لاہورامامیہ مشن پاکستان،۱۹۶۴، ۱۴ص

۸۔سیاست معاویہ ویزید(حصہ اول) :مولاناسید منظور حسین بخاری(م ۱۹۸۰ء)

عباسی صاحب کی کتاب کے ردود مخالفین شیعہ کی طرف سے بھی لکھے گئے اس سلسلے میں مرحوم بخاری لکھتے ہیں'ان لوگوں میں سے بعض حضرات نے موقع کو غنیمت سمجھا اور عباسی کے خارجیانہ انداز فکر کی تردید کے ساتھ ساتھ شیعی مسلک کو بھی ہدف بنانا شروع کردیا اس لیے ہم نے ضروری سمجھا کہ مکتب تشیع کی طرف سے بھی ایک مکمل اور آخری جواب ایسا پیش کیا جائے جس میں عباسی صاحب کے پیش کردہ مندرجہ جات پر مسلمہ تاریخی ومذہبی ماخذ سے بحث کی جائے چنانچہ ہم اپنی استعداد اور فکری قابلیت کے اعتبار سے زیرنظر تالیف کو پیش کررہے ہیں۔ص ۷

عنوانات: کیا مورخ طبری شیعہ تھا،اموی سیاست کا اجمالی خاکہ،بنی اُمیہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بنی اُمیہ کی اسلام سے جنگ دور بنی اُمیہ میں اسلامی شعائر کی تباہی عہد امیر المومنین -کے فتنہ وفسادات کے اسباب،جنازہ حسن-پر بنی اُمیہ کا حملہ،مصالحت امام حسنؑ کی حقیقت۔

لاہور:،مکتبہ امامیہ ۱۹۶۲ء ۵۱۱ص

۹۔سیاست معاویہ ویزید(حصہ دوم) :مولاناسید منظور حسین بخاری(م ۱۹۸۰ء)

مناظرانہ انداز سے ہٹ کر تاریخ اسلام کی روشنی میں معاویہ ویزید کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

عناوین: حضرت علی وحسن وحسین÷ کے طرز عمل پر تبصرہ، سانحہ کربلا کا پس منظر اور اس کی ذمہ داری ،برادران حسین کا موقف۔کیا امام حسین کا اقدام خطائے اجتہادی تھا۔سب وشتم کی روایات پر تبصرہ،جہاد قسطنطنیہ،بشارت مغفرت اور یزید،تکفیر یزید پر علمائے امت کے اختلافات کی نوعیت کفر یزید اور اس پر لعنت کا جواز اسلام کا اجمالی مسئلہ ہے۔کیا مظالم کربلا کی روایات فرضی ہیں۔

لاہور مکتبۃ الناصر۔۱۹۶۲ء ۴۸۸ص

۱۰۔موازنہ حق و باطل : سید احمد علی شاہ، سابق صدر آزاد کشمیر سہ ماہی اُردو رسالے میں کتاب 'الحسین' پر محمود احمد عباسی (م۔۱۹۷۴ء) کے تبصرے کا رد

لاہور: ادارہ معارف اسلام ۔۱۳۷۴ھ ۶۴ص

۱۱۔کردار یزید در جواب خلافت معاویہ و یزید :مولانا غلام حسین نجفی

عنوانات :۔پنجتن پاک سے عقیدت رکھنا فرض ہے، بنو امیہ اور بنو مروان ناصبی تھے، فسق یزید پر حجاج کی گواہی، اہل کوفہ کے مذہب پر تفصیلی بحث، کربلا کی جنگ حق و باطل کا معرکہ تھا، مدینہ: قیصر والی حدیث کے رواۃ پر نام بنام بحث۔

نواب شاہ: وفاق علماء شیعہ۔۲۹۶ص

حدیث قیصر: **اول جیش من امتی یغزون البحر قد او جبوا** (بخاری شریف) پر ذیل کا کتابچہ قابل مطالعہ ہے

حدیث قیصر اور یزید : مولانا فضل احمد رضا جونا گڑھی

کراچی:۱۴۔ا۔ A اختر کالونی کورنگی روڈ۔ ۲۴ص

۱۲۔نور و ظلمت بجواب کتاب خلافت معاویہ و یزید :سید محمد حیدر زیدی انور الہ آبادی

منظوم ردّ کراچی:۔ پرچم پریس،۱۹۶۰ء ۳۲ص

۱۳۔فتح دیوبند/ نغمہ مستانہ : سید لقاء علی نقوی اثر امروہوی۔

قاری محمد طیب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کی کتاب 'شہید کربلا اور یزید' کی بعض قابل اعتراض باتوں کا منظوم رد، یہ کتاب ۱۰۱۸، اشعار پر مشتمل ہے۔

آغاز: ہے اپنی محبت کا انداز جداگانہ۔ مظلوم سے بھی الفت ظالم سے بھی یارانہ

اپنے نئے مسلک میں ہر فعل ہے فرزانہ اللہ بھی پیارا ہے ابلیس بھی جانانہ

امروہہ ضلع مراد آباد (ھند۔ یوپی) ۱۱۶ص

۱۴۔ہدیہ طیب: مہر سکوت : سید لقاء علی نقوی اثر امروہوی

قاری محمد طیب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند نے محمود احمد عباسی (م۱۹۷۴ء) کی کتاب 'خلافت و

معاویہ و یزید' کی رد میں ایک کتاب بنام'' شہید کربلا اور یزید'' لکھی جسمیں یہ بھی کہا کہ عباسی صاحب نے حضرت امام حسین - کے بارے میں اس سے بہت کم لکھا ہے جو شیعہ حضرات صحابہ کرام کے بارے کہتے ہیں اثر صاحب نے قاری صاحب سے خط و کتابت کی اور جملہ خط و کتابت کو شائع کر دیا۔

امروھہ ضلع مراد آباد۔۸۴ص

محمود احمد عباسی کی کتاب کی رد میں غیر شیعہ کی طرف سے لکھی جانے والی بعض کتابوں کی فہرست حاضر ہے:

۱۵ آئینہ حقیقت (تعزیرات قلم) : علامہ ارشد القادری

علامہ ارشد القادری بریلوی علماء میں ایک اہم مقام رکھتے تھے کتنی ہی تحقیقی کتب کے مصنف ہیں جن میں ۔ا۔زلزلہ۔۲تبلیغی جماعت معروف ہیں۔

اس موضوع پر زیر نظر کتاب کے ص۱۴ تا ۴۵ ملاخطہ کیے جائیں۔

لاہور: مطبوعات لوح و قلم، ۱۹۸۶ء، ۱۷۶ص

۱۶۔تصدیق شہید قدح حسین- مدح یزید پر محققانہ نظر :عزیز الملک سلیمانی

مصنف کے اپنے الفاظ میں ۔اس کتاب پر گہری نظر ڈالنے سے ہر دیدہ ور کو نظر آئے گا کہ مولف (محمود احمد عباسی) نے 'الحسین' سے کبیدہ خاطر و مشتعل ہو کر سبط رسول ﷺ کے حالات مورخین یورپ کے انداز پر قلم بند کر کے حسینِ سیرت حسینؑ کو کریہہ دکھانے کی نا محمود کوشش کی ہے۔اس صورت میں تاریخی روایات کا اخذ و نقل بھی دیانت سے دور ہو گیا جس نے مولف کی مورخانہ عرق ریزی پر پانی پھیر دیا، عاشورہ محرم پر سب متفق علیہ ہیں کہ کربلا کے منازل سفر کی صراحت بھی چھپی ڈھکی نہیں مدت ہوئی کہ 'ذبح عظیم' میں چھپ چکی ہے۔ بحث صرف دینداروں کی دل آزاری، یزیدیت کی بے جا طرف داری اور حسینیت سے ناحق بیزاری ہے اور بس۔ص ۳۸

کتاب مقدمہ۔قدح حسین-اسلامی خلافت۔مدح یزید، تحقیق مزید کی حقیقت اکابر اہلسنت سے بدگمانی

کراچی: مشہور آفسٹ لیھتو پریس۔۳۰۴ص

۱۷۔حضرت امام حسینؓ اور اہلسنت و جماعت : مرزا اشرف علی جوہر رحمانی۔

رحمانی صاحب خانقاہ ستاریہ فتح گڑھ (ہند) کے سجادہ نشین ہیں موصوف نے یہ رسالہ لکھنے کی وجہ بتائی ہے کہ:

''ہر دور میں اہلسنت کے نام سے بعض مروانی النسل اور یزیدی ہوا خواہوں نے شیعوں کی مخالفت کے نام پر سادہ لوح اہلسنت میں فرقہ پرستی کے جذبات اُبھار کر امام عالی مقام کے فضائل ومناقب کی اہمیت کو کم کرنے اور آپ کی شہادت کو مشکوک بنانے، بلکہ معاذ اللہ آپ کو خاطی وباغی تک قرار دینے اور یزید کی حمایت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، چنانچہ مرزا حیرت دھلوی اور موجودہ عصر کے محمود احمد عباسی نے بہت سے ناواقف حضرات کو حیرت میں ڈال دیا اور عباسی صفت حضرات پیدا کر دیے''۔ص۵

لاہور: امامیہ مشن پاکستان، ۱۹۷۷ء۔۴۰ص ۱۸۔

۱۸۔حضرت معاویہ واستخلاف یزید بجواب تحقیق مزید علی خلافت معاویہ ویزید: سید لعل شاہ بخاری بخاری صاحب فاضل دیوبند اور مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۹۵۸ء) کے خاص شاگردوں میں سے تھے دیوبندیوں کے 'مماتی گروپ' کی نمائندہ جماعت اشاعت توحید وسنۃ پاکستان کے بانیوں میں سے تھے اس گروپ کے نمائندہ علماء مولانا غلام اللہ خان (م۱۹۸۰) مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی، مولانا محمد امیر آف سرگودھا۔مولانا قاضی شمس الدین آف گوجرانولہ، مولانا قاضی نور محمد آف قلعہ دیدار سنگھ اور مولانا محمد طاہر آف پنج پیر ہیں۔جب مولانا نے محسوس کیا کہ اس گروپ کے علماء کی اکثریت عباسی خیالات کی حامل ہے انہوں نے اس موضوع پر آزادانہ مطالعہ کیا محبت اہلبیت کے ساتھ ساتھ دشمنان اہل بیت سے نفرت کا اظہار کیا تو اس گروپ کے اکثر علماء نے ان کی مخالفت کی اور ان کے خلاف ایک رسالہ القول السدید لکھا مولانا بخاری نے اس کتاب کے علاوہ حسب ذیل کتابیں بھی لکھیں:

۱۔نکیرات الاعیان علی معاویہ بن ابی سفیان:

مطبوعہ واہ ضلع راولپنڈی ۱۹۸۴ء، ۱۲۷ص

۲۔ولایت علیؑ، حدیث من کنت مولا ہ فعلی مولا کا اثبات کیا گیا ہے۔

واہ ضلع راولپنڈی۔۱۹۸۴ء، (۸۔۹۶ص)

۳۔اظہار حقیقت پر بصیرت افروز تبصرہ۔

اظہار حقیقت مولانا محمد اسحاق سندیلوی کی تصنیف ہے جو مولانا مودودی (م ۱۹۷۹ء) کی کتاب خلافت وملوکیت کا رد ہے جو ناصبیت سے مملو ہے۔

واہ ضلع راولپنڈی ۱۹۸۵ء۔ ۲۶۴ص

۴۔ جامع ارراء فی مراتب الخلفاء نام سے ظاہر ہے خلفائے اربعہ کی فضلیت ان کی ترتیب خلافت پر ہے۔

واہ ضلع راولپنڈی۔۹۶ص وغیرھم استخلاف یزید میں محمود احمد عباسی کی ہر دو کتب 'خلافت معاویہ ویزید' اور تحقیق مزید پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

واہ ضلع راولپنڈی ۲۰۷ص

۱۹۔ فتنہ خارجیت: حاجی نواب الدین گولڑوی

عباسی، شاہ بلیغ الدین، ابو یزید محمد دین بٹ، حکیم فیض، عالم صدیقی، مولوی محمد امین آف کامونکی (مصنف معارف یزید)، ابوسعید شرف الدین دھلوی کے ناصبیانہ خیالات کا رد:

چکوال۔ مکتبہ غوثیہ تلہ گنگ روڈ، ۱۴۰۳ھ، ۶۴ص

۲۰۔ قول سدید رد خلافت معاویہ ویزید : ضیا احمد بدایونی ایم اے

مصنف کے اپنے الفاظ میں کتاب کو از اول تا آخر پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے تک پہنچے کہ یہ سرتا سر شر انگیز اور گمراہ کن ہے ص۱۴

عنوانات:۔ اسلامی تواریخ کا سرمایہ بحث تاریخی ہے یا اعتقادی، منصب خلافت اور بنی امیہ کے دعوے، خلافت اور خلیفہ کی شرعی حیثیت، بنی امیہ کا ریکارڈ، قول فیصل، طیبین کی روش (حضرات علی وحسینؑ)

لاہور: مولوی شمس الدین تاجر کتب قلمی وقدیمی۔ص ۱۲۸

۲۱۔ مصنف 'خلافت معاویہ ویزید' محمود احمد عباسی اپنے عقائد نظریات کے آئینے میں: علی مطہر نقوی امروہوی

نقوی صاحب نے اس کتاب کا انتساب علامہ خلیل احمد سہار نپوری، مولانا محمد اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی کفایۃ اللہ دھلوی اور علامہ سید سلیمان ندوی کے نام کیا ہے۔

عنوانات: محبان یزید کی مرکزی گمراہی، عباسی صاحب حقیقتاً کیا تھے۔

مختلف جرائد وغیرہ میں مطبوعہ تبصرے وجائزے محبان یزید کے خیالات وعزائم۔
کراچی ادارہ تحفظ ناموس اہلبیت ÷۱۹۸۳، ۔۱۷۶ص

۲۲۔شہید ابن شہید: صائم چستی (م ۲۰۰۰ء)

مصنف کے اپنے الفاظ میں: اس کتاب کو لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں چند ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو اس خونچکاں داستان کی سرخی اڑا لینے کی فکر میں ہیں۔حالانکہ وہ قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ اس مذموم کوشش میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ص ۵۔۴

میرے سامنے بھارت اور پاکستان کے باطل نواز یزید کے کاسہ لیسوں اور میر منشیوں کی لکھی ہوئی چند کتابیں یکے بعد دیگرے آئیں جن میں ان کوتاہ اندیش یزیدی مصنفوں نے پوری پوری کوشش صرف کر دی ہے کہ کسی طرح یزید کو خلیفہ برحق، امیر المومنین اور ولی اللہ ثابت کیا جا سکے۔اور امام حسین علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) شرانگیز فتنہ پرداز، خلافت الہیہ کا باغی اور مفسد قرار دیا جائے۔ص ۴
فیصل آباد چشتی کتب خانہ، ۱۳۹۹ھ ۳۴۵ص

۲۳۔علی وحسین علیہ السلام : قاضی اطہر مبار کپوری

مدیر ماہنامہ برہان دہلی مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم نے رسالے کے ستمبر ۱۹۶۰ء ربیع الاول ۱۳۸۰ھ کے شمارے میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ”عباسی صاحب کی کتاب کے رد میں اب تک جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں یہ کتاب جامع اور معتدل نقطہ نظر اور سنجیدہ تحقیق وزبان کی حامل ہونے کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے۔ص ۱۸۹۔

عنوانات: عباسی صاحب کے غلط حوالجات کا رد۔حضرت علی -کا دور خلافت امام حسینؑ کی شخصیت مقام وموقف ۔یزید کی ولی عہدی، اس عہد کے واقعات۔
بمبی ایجنسی تاج کمپنی ۔۳۳۶ص

۲۴۔شہادت نواسہ سید الابرار۔مناقب آل نبی المختار : مولانا محمد عبدا سلام رضوی

لاہور: مکتبہ حامدیہ ۱۹۸۲ء، ۱۰۱۴ص

۲۵۔اہلحدیث کے مایہ ناز عالم مولانا عطا اللہ حنیف بھوجیانی (م ۱۹۸۷ء) نے اپنے رسالے

ماھنامہ رحیق لاہور بابت جون جولائی ۱۹۵۹ء میں ۶۳ص، پر اس کتاب پر تبصرہ کیا۔ کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب نے اس نازک اور اہم موضوع پر خوب محنت کی ہے۔ سینکڑوں کتابوں کو کھنگالا ہے اور حق یہ ہے کہ وہ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب رہے ہیں۔ ص ۶۵

رسائل میں بعض مقالات بھی شائع ہوئے ان کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ خلافت معاویہ و یزید ایک جائزہ: مجاھد الاسلام قاسمی مونگیر۔

ماہنامہ برہان دہلی دسمبر ۱۹۵۹ء ص ۴۰۔ ۳۴۴

۲۔ ناصبیت تحقیق کے بھیس میں: مولانا عبدالرشید نعمانی، ماہنامہ بینات کراچی جمادی الثانیہ ۱۳۸۲ھ

۳۔ قسط دوم : ماہنامہ بینات کراچی رجب ۱۳۸۲ھ

۴۔ قسط سوم : ماہنامہ بینات کراچی شعبان ۱۳۸۲ھ

۵۔ قسط چہارم : ماہنامہ بینات کراچی رمضان ۱۳۸۲ھ

۶۔ قسط پنجم : ماہنامہ بینات کراچی شوال ۱۳۸۲ھ

قارئین کو معلوم ہے کہ محمود عباسی صاحب کی بدنام کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' پر بینات میں مسلسل تنقید کی جا رہی تھی اور ہر شمارے کے ۱۶ صفحات اس غرض کے لیے مخصوص تھے۔

۷۔ قسط ششم : ماہنامہ بینات کراچی محرم ۱۳۸۳ھ

۸۔ قسط ہفتم : ماہنامہ بینات کراچی صفر ۱۳۸۳ھ

۹۔ قسط ہشتم : ماہنامہ بینات کراچی ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

۱۰۔ ایک استفسار اور اس کا جواب : ماہانہ بینات کراچی ربیع الثانیہ ۱۳۸۳ء

۱۱۔ غزوہ قسطنطنیہ اور یزید :مولوی عبد المنان سلھٹی ماہنامہ بینات کراچی شعبان ۱۳۸۳

حوالہ جات

۱۔النجم محرم نمبر ۴ ۱۳۵ھ لکھنو ص ۲۵

۲۔ماہنامہ الفرقان لکھنو، اگست و ستمبر ۱۹۵۴ء مولانا نعمانی 'ایرانی انقلاب' نامی کتاب کے بھی مصنف ہیں اس کتاب کو تعلیمی اداروں میں طلبا کو بطور انعام بھی دیا گیا۔

۳۔تفصیلات کے لیے دیکھیے 'واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر' از مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی شائع کردہ میسون پبلی کیشنز ملتان

۴۔خلافت معاویہ و یزید۔ص ۱۳

۵۔ایضاص ۱۳۔۱۷۔۳۷، اس قطعہ تاریخ کا پہلا شعر یہ ہے

ترا بقائی ابد باد در نکونامی   عجب صحیفه نوشتی برنگ یکتائی

۶۔ایضاً اشاعت سوم دسمبر ۱۹۶۰ء ص ۵۳۱

۷۔نقوش زندگی (مولانا تونسوی کے حالات زندگی) ص ۹۳۔۹۲ مصنف مولانا محمد عبد الحمید تونسوی ،تونسہ شریف، مکتبہ جامع عثمانیہ جامع مسجد قباء (س۔ن)

۸۔خلافت معاویہ و یزید۔ص ۱۵

۹۔ماہنامہ تنظیم اہلسنت لاہور۔امیر معاویہ نمبر، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے رسائل سیکشن میں یہ رسالہ موجود ہے۔

۱۰۔تفصیلی فہرست میری کتاب فہرست کتابیات علیہ امامیہ در پاکستان طبع اسلام آباد: دار التبلیغ امامیہ، ۱۹۹۹ء میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۱۱۔شہید کربلا اور یزید: مولانا محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند، کراچی: ادارہ علوم شرعیہ

مولانا طیب نے اس کتاب کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھا ہے کہ آخر میں ایک آخری گزارش یہ ہے کہ عباسی صاحب کی اس کتاب سے یقیناً حضرات شیعہ کو دکھ پہنچا ہے اور قدرتاً پہنچنا چاہیے تھا لیکن اس میں ان کے لیے جہاں دکھ کا سامان موجود ہے وہیں عبرت کا سامان بھی مہیا ہے۔دار العلوم کی مالی امداد کے سلسلے میں دیکھیے

علامہ ارشد القادری: آئینہ حقیقت (تعزیرات قلم)، لاہور: مطبوعات لوح و قلم، ۱۹۸۶ء صفحات ۵۳ تا ۶۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امام خمینیؒ:

اگر دین میں بدعتیں پیدا ہو جائیں تو علما پر لازم ہے اپنے علم و دانش کو ظاہر کریں اور اس بات کی اجازت نہ دیں کہ بدعت ایجاد کرنے والوں کی زیرکی و چالاکی اور فریب و دھوکہ دین اور لوگوں پر اثر انداز ہوں اور وہ انہیں منحرف کریں۔

(صحیفہ امام، ج ۵،

ص ۳۸۹)

شیعہ محدثین اور اُنکی کتب حدیث ﴿۱﴾

سید رمیز الحسن موسوی

شیخ طوسیؒ بحیثیت محدث

شیعہ کتب حدیث میں چار ابتدائی کتابوں کو کتب اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔جس طرح اہل سنت کی صحاح ستہ ہیں، جو اہل سنت کے نزدیک بنیادی کتب حدیث سمجھی جاتی ہیں۔کتب اربعہ میں: کافی ،من لایحضرہ الفقیہ ،تہذیب الاحکام اور استبصار شامل ہیں۔آخری دو کتابیں ابوجعفر،محمد بن حسن طوسی (۳۸۵ھ۔۴۶۰ھ) ہیں کہ جو شیخ طوسی اور شیخ الطائفہ کے نام سے معروف ہیں۔تہذیب الاحکام اور استبصار جیسی گرانقدر کتب حدیث کی وجہ سے شیخ طوسی علیہ الرحمہ کا نام شیعہ محدثین میں بہت عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے اور اُنہیں شیعہ احادیث کی جمع آوری میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

حالات زندگی

شیخ طوسی ابوجعفر محمد بن حسن کی ولادت ۳۸۵ھ میں امام ہشتم علیہ السلام کے جوار مقدس طوس (مشہد) میں ہوئی۔طوس اس زمانے میں علوم اہل بیت علیہ السلام اور معارف اسلامی کی ایک عظیم یونیورسٹی سمجھا جاتا تھا۔اس مقدس شہر میں امام رضا علیہ السلام کی بارگاہ ہے اور یہ مقدس شہر دنیا بھر میں بسنے والے اہل بیتؑ کے پیروکاروں اور متلاشیان حق وحقیقت کی محبت کا مرکز ہے۔شیخ طوسی عالم اسلام کے جید عالم دین اور عظیم مفسر قرآن تھے۔۲۰ سال کی عمر میں علم وعمل کے اس پیکر نے بغداد کی طرف ہجرت کی۔اس ہجرت کے اسباب کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں کچھ بھی نہیں ملتا۔لیکن ہجرت ہمیشہ سے انسانی تکامل میں مئوثر رہی ہے۔بالخصوص اگر انسان اپنے ارادے سے ہجرت کرے تو یہ انسان کی ترقی اور کمال میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔اس لحاظ سے شیخ طوسی کی ہجرت کو ایک حد تک علوم اسلامی اور علم فقہ کی تکمیل

کے لئے اولین ہجرت کہا جا سکتا ہے۔آپ نے یہ ہجرت فقہ واُصول کے عظیم اُستاد، بحرعلم وادب، پیکر زہد وتقویٰ اور عالم اسلام کے نابغہ روز
گار فقیہ اور دنیائے تشیع کے عظیم الشان رہبر حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی نیت سے کی تھی۔جو اس وقت بغداد کے مسند علم پر جلوہ افروز تھے۔یہ شاگرد رشید اپنے اُستاد بزرگوار کے حضور پانچ سال تک ان کے وجود پُر برکت سے استفادہ کرتا رہا اور اس دوران کسی بھی وقت ان سے جدا نہ ہوا۔یہاں تک کہ وعدہ الٰہی آ پہنچا اور ۴۱۳ھ میں شیخ مفیدؒ اس وعدہ الٰہی پر لبیک کہتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

شیخ مفید علیہ الرحمۃ کے بعد دین کی رہبری اور مذہب کی پیشوائی شیخ مفید کے لائق شاگرد واور جہان علم کے تابناک ستارے سید مرتضیٰ علم الہدی کی طرف منتقل ہوگئی۔شیخ طوسی نے اس فرصت کو غنیمت سمجھا اور علم وعمل کے اس بحر بیکراں سے کسب فیض شروع کیا۔استاد کی بھی ان پر خاص عنایت تھی اور انھیں دوسرے شاگردوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔یہ تعلق ۲۳ سال تک قائم رہا یہاں تک کہ یہ استاد عالی قدر بھی خالق حقیقی سے جا ملے۔ان کے بعد آسمان علم وفضیلت پر شیخ طوسی سے بڑھ کر کسی ستارے کی جگمگاہٹ نہ تھی۔لہذا مسلمین جہان کی رہبری کا پرچم شیخ طوسی کو اٹھانا پڑا اور ان کا گھر جو کہ علاقہ کرخ بغداد میں واقع تھا امت مسلمہ کی جائے پناہ بن گیا۔

عامۃ الناس اور شیعہ سنی علماء اپنی مشکلات، پیچیدہ مسائل اور احکام فقہ کی گھتیاں سلجھانے کے لئے ان کے پاس جاتے اور اپنے دامنوں کو اہل بیت علیہ السلام وقرآن کی فیوض وبرکات سے بھر کر ان کی محفل سے واپس لوٹتے۔علوم اہل بیت علیہم السلام کی تحصیل کے لئے شیعہ علماء کے ساتھ ساتھ اہل سنت علماء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے۔شیخ عباس قمی نے کتاب ''الکنی والالقاب'' میں آپ کے شاگردوں میں ۳۰۰ سے زیادہ شیعہ مجتہدین اور بے شمار علمائے اہل سنت کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ طوسی ۴۰۸ھ تک بغداد میں سنی علماء وشیعہ مجتہدین کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہے۔ مسلمانوں کی اس عظیم وحدت سے دشمنان دین اور منافقین کی سازشیں ناکام ہونے لگیں تو انہوں نے ملت اسلامیہ میں تفرقہ ڈالنا شروع کر دیا شیخ طوسی نے حکمت ومتانت سے اس فتنہ وفساس کی آگ کو کسی حد تک

خاموش کیالیکن

منافقین مسلمانوں کی وحدت کو کیسے دیکھ سکتے تھے۔ وہ اس رہبر کو اپنی باعث ننگ وعار زندگی کے لئے پیام مرگ خیال کرتے تھے لہذا وہ اپنی بھیانک سازشوں اور خیانت آمیز منصوبوں میں مشغول رہے افسوس کہ کوئی بھی نصیحت ان کے تاریک وسیاہ دلوں پراثر انداز نہ ہوسکی زہریلے ناگ امت مسلمہ میں ہر دور اور ہر زمانے میں موجود رہے ہیں لہذا شیخ طوسی کا زمانہ بھی ان سے کیسے مستثنیٰ ہوسکتا تھا۔

خرمن وحدت امت میں منافقین کے ہاتھوں لگائی ہوئی آگ رفتہ رفتہ شدت اختیار کرگئی پھراچانک یہ آتش [حسد وفساد] شیعیت کے عظیم کتابخانے تک جا پہنچی اوراس کوجلا کر خاکستر کردیا یہ کتابخانہ اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ اسے ''دارالعلم'' کہا جاتا تھا۔ استاد محمد کرد علی نے کتاب ''خطط الشام '' کے جز ششم میں نقل کیا ہے کہ ''یہ عظیم علمی مرکز دس ہزار سے زیادہ معتبر ترین ونایاب ترین کتب وآثار علمی پر مشتمل تھا۔'' یاقوت حموی کتاب ''معجم البلدان'' میں یوں لکھتا ہے: یہ کتاب خانہ جس کے لئے ابونصر شاہ پور فرزند اردشیر نے کتابیں وقف عام کیں، بہترین ومعتبر ترین خطی نسخوں پر مشتمل تھا۔

یہ آتش سوزی کتاب خانہ ابونصر تک ہی منحصر نہیں رہی بلکہ یہ آگ علاقہ کرخ تک پہنچ گئی اور فتنہ وفساد اس حد تک وسیع ہوا کہ علامہ الدہر شیخ طوسی کا بھی احترام نہ کیا گیا اوران کے کتاب خانے کو بھی نذر آتش کردیا گیا ۔ گویا منافقین اسلام ہمیشہ سے علم وحکمت اور علمائے حق کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ ابن اثیر[عظیم مورخ] کتاب ''الکامل'' میں لکھتا ہے: کرخ میں ۴۴۹ھ میں ابوجعفر طوسی کے گھر کوتباہ کیااور جوکچھ اس میں تھا لوٹ لیا گیا۔

شیخ طوسی کی تالیفات کی خصوصیات میں ایک ان کی اصالت ہے یعنی یہ کتابیں ہمارے اصل منابع اوراساسی کتب سمجھی جاتی ہیں۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا کتابخانہ جواسی ہزار سے زائد کتب پر مشتمل تھا، ان کے بعد شیخ طوسی کے زیر مطالعہ رہااور شیخ نے بھی زیادہ تر استفادہ اسی کتابخانہ سے کیااوراسی زمانے میں اپنی دوکتابیں تہذیب'' اور''استبصار'' کوتحریر کیا انھوں نے انہی دوکتابوں پر اکتفا نہ کیا بلکہ بہت سے دوسرے علوم وفنون مثلاً فقہ، اصول، تفسیر، کلام، رجال، ادعیہ وحدیث میں ایسی کتابیں تالیف کیں کہ جو صدیوں تک علماء اور عامتہ الناس کے لئے قابل اعتماد، مستند اور قابل استفادہ رہیں گی۔

شیخ آقا بزرگ تہرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب حیاۃ الشیخ طوسی میں شیخ طوسی کی کتابوں میں سے پچاس[۵۰] کتب کا ذکر کیا ہے جوکہ ابھی تک چھپ چکی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ **کتاب الرجال**: اس فن کی کتابوں میں عمدہ ترین کتاب ہے جس سے علماء، فقہاء ومحدثین استفادہ کرتے رہے ہیں۔

۲۔ **تهذيب الاحكام فى شرح المقنعه**

۳۔ **الاستبصار فيما اختلف من الاخبار** (ان دونوں کتابوں کا مفصل تعارف بعد میں آئے گا)

۴۔ **الخلاف**: جوکہ مسلمین کے فقہی اختلافات پر مشتمل ہے۔

۵۔ **البيان فى تفسير القرآن**: تفسیر قرآن کے موضوع پر ایک بے نظیر کتاب ہے۔ شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں اس سے استفادہ واقتباس کا اعتراف کیا ہے دس بڑے حصوں پر مشتمل ہے اور کئی بار چھپ چکی ہے۔

۶۔ **مصباح المجتهد**: ادعیہ وعبادات پر لکھی گئی ہے۔

۷۔ **الامالى**: احادیث واخبار معصومینؑ کے موضوع پر جو کچھ شیخ نے اپنے شاگردوں کو نجف اشرف میں لکھایا، وہ اس میں جمع کیا گیا ہے۔

۸۔ **ألعده فى الاصول**: اصول فقہ میں شیخ طوسی کے نظریات کا مجموعہ

۹۔ **كتاب النهايه**: اصول وفروع دین میں یہ شیخ کی اولین تالیفات میں سے ہے۔

۱۰۔ **اختيار الرجال**۔

۱۱۔ **الفهرست.**

۱۲. **المبسوط فى الفقه.**

۱۳. **الايجاز فى الفرائض.**

۱۴. **تلخيص الشافى فى الامامة.**

۱۵. **الغيبة.**

۱۶. **الاقتصاد الهادى الى طريق الرشاد.**

اور وہ کتابیں جو ابھی تک چھپ نہیں سکیں یا آتش سوزی کے اثر سے کتابخانہ کرخ بغداد میں جل چکی ہیں یا کسی دوسری وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں ان کی فہرست اس طرح ہے۔

۱۷۔ الجمل والعقود فی العبادات۔۱۸۔ المفصح فی الامامتہ۔۱۹۔ مختصر المصباح فی الادعیہ۔۲۰۔ ہدایت المستر شد۔۲۱۔ مناسک الحج۔۲۲۔ مختصر اخبار المختار۔۲۳۔ مسألتہ فی تحریم الفقاع۔۲۴۔ فی وجوب الجزیۃ۔۲۵۔ المسائل القیمتہ۔۲۶۔ فی العمل بخبر الواحد۔۲۷۔ مختصر فی عمل یوم ولیلتہ۔۲۸۔ مسالتہ الغار۔۲۹۔ المسائل فی الفرق بین نبی والامام۔۳۰۔ مقتل الحسین۔۳۱۔ مالایسع المکلف الاخلال بہ۔۳۲۔ مایعلل ومالیعلل۔۳۳۔ شرح الشرح فی الاصول۔۳۴۔ مقدمتہ فی المدخل الی علم الکلام۔۳۵۔ ریاضتہ العقول۔۳۶۔ تمہید الاصول۔۳۷۔ اصول العقائد۔۳۸۔ انس الوحید۔۳۹۔ مسائل ابن البراج۔۴۰۔ المسائل الالیاسیتہ۔۴۱۔ المسائل الجنبلائیتہ۔۴۲۔ المسائل الحائریۃ۔۴۳۔ المسائل الحلبیتہ۔۴۴۔ المسائل الرازیۃ۔۴۵۔ المسائل الدمشقیہ۔۴۶۔ المسائل الرجبیتہ۔۴۷۔ مسالتہ فی الاحوال۔۴۸۔ تعلیق مالایسع۔۴۹۔ مسألتہ فی مواقیت الصلاۃ۔۵۰۔ الکافی فی الکلام۔

شیخ طوسی کی کتب حدیث

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جن دو کتابوں کی وجہ سے شیخ طوسیؒ کو شیعہ محدثین میں اہم مقام حاصل ہے وہ اُنکی کتاب ''تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ اور الاستبصار فیما اختلف من الاخبار'' ہے۔ یہاں ان دونوں کتابوں کا مفصل تذکرہ کیا جائے گا تا کہ علم حدیث کی نشرواشاعت میں شیخ طوسی علیہ الرحمہ کا کردار واضح ہو سکے اور اُن کے شیعہ محدثین میں خاص مقام ومنزلت کو سمجھا جا سکے۔

۱. تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ

مختصر تعارف

تہذیب الاحکام،''کافی''اور''من لا یحضرہ الفقیہ''کے بعد کتب اربعہ میں سے تیسری اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب شیخ مفید علیہ الرحمہ کی کتاب ''المقنعہ'' کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے۔ جسکی روایات کی تعداد ۱۳۵۹۰ ہے کہ جو''طہارت'' سے لیکر'' دیات'' تک ''۳۹۳''فصلوں (فقہی کتابوں) پر مشتمل ہے

اور دس جلدوں میں چھپی ہے۔

وجہ تالیف

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے تہذیب الاحکام کی تالیف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''میرے ایک دوست نے کہ جن کا میری گردن پر (بہت زیادہ) حق ہے، مجھے کہا کہ ہمارے علماء کی احادیث میں بہت زیادہ اختلاف، تباین، تنافی اور تضاد پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت کم کوئی ایسی روایت ملتی ہے جس میں تضاد نہ ہو اور کوئی ایسی حدیث نہیں کے جس کے مقابلے میں ایک اور حدیث نہ ہو۔ جس کی وجہ سے مخالفین نے اس بات کو ہمارے مذہب پر اہم ترین شبہہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور اس طرح ہمارے اعتقاد کو باطل قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: آپ کے گذشتہ اور موجودہ علماء کے درمیان دینی اختلاف کی وجہ سے اُن پر طعنہ زنی کی جاتی تھی اور اُنہیں فروع دین میں اختلاف کی وجہ سے مذمت کا نشانہ بننا پڑتا تھا اور کہا جاتا کہ ایک حکیم انسان اس قسم کے اعتقادات کے سامنے تسلیم نہیں ہوسکتا اور ایک آگاہ و عالم شخص اس قسم کے متناقض احکام پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیا وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں تم (شیعہ) اپنے مخالفین کی نسبت شدید ترین اختلاف رکھتے ہو۔ لہذا تمہارے درمیان اس قسم کے اختلاف کا پایا جانا اور پھر اس کے ساتھ تمہارے نقطہ نظر میں اختلاف کا باطل ہونا، تمہارے اصل عقیدے کے باطل ہونے کی علامت ہے۔ اس بات کی وجہ سے بعض شیعہ اس مغالطے میں پڑ گئے ہیں چونکہ وہ نظریاتی اور الفاظ کے مفاہیم کے حوالے سے ضروری علمی قوت اور بصیرت سے بہرہ مند نہیں ہیں۔ اور اسی شبہہ کے حل نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے بہت سے لوگ اپنے برحق عقیدے سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے اُستاد شیخ مفید علیہ الرحمہ سے سنا ہے کہ ابوالحسن ھارونی علوی کہ جو امامت اہل بیتؑ کے برحق ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا لیکن جب اس نے احادیث میں اختلاف کو دیکھا اور روایات کے مفاہیم اس پر روشن نہ ہو سکے تو وہ دین برحق سے منحرف ہو گیا اور مخالفین کا عقیدہ اختیار کر لیا۔۔۔''

اس کے بعد شیخ طوسیؒ مذید لکھتے ہیں: ''اس دینی بھائی نے مجھ سے کہا کہ اس تلخ حقیقت کے باوجود ایک ایسی کتاب کی شرح لکھنا کہ جو مختلف روایات کی تاویل اور متنافی احادیث پر مشتمل ہو، اہم ترین دینی فرائض اور خدا کے نزدیک مقرب ترین کاموں میں سے ہے۔ لہذا اس نے مجھ سے تقاضا کیا کہ میں

اپنے اُستاد شیخ مفید علیہ الرحمہ کی کتاب ''المقنعہ'' کے اوپر کام کروں کیونکہ یہ کتاب شرعی احکام کی تبیین اور اپنے موضوع کے لحاظ سے ضروری سمجھی جاتی ہے اور حشو و اطناب سے خالی ہے۔ اُس دوست نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ''کتاب طہارت سے شروع کروں اور اس سے پہلے والے موضوعات کو چھوڑ دوں کہ جو توحید، عدل، نبوت اور اامامت پر مشتمل ہیں۔ چونکہ اس طرح اس کی شرح طولانی ہو جائے گیا ور پھر اس کتاب کا مقصد بھی عقائد کی شرح نہیں ہے۔(تھذیب الاحکام فی شرح المقنعۃ، ج۱،ص۲،۳)

شیخ طوسی علیہ الرحمہ کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے زمانے میں شیعوں کے خلاف مخالفین کی طرف سے شبہات اور اعتراضات کا سلسلہ جاری تھا اور بغداد میں شیعہ سنی کے درمیان اس طرح کی علمی جنگ جاری تھی اور اس کے بارے میں شیعوں کے عالم وفاضل لوگ حساسیت رکھتے تھے اور اپنی دینی و مذہبی غیرت کا تقاضا سمجھتے ہوئے اس قسم کے علمی شبہات کا جواب دینا ضروری سمجھتے تھے۔ لہذا شیخ طوسیؒ جب بغداد منتقل ہوئے تو انہیں اس قسم کی علمی جنگ وستیز کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے مقابلے میں مذہب حقہ کا دفاع اپنے اوپر فرض سمجھا۔ لہذا اُنہوں اُس زمانے کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے فقہی روایات کے درمیان ظاہری اختلاف وتضاد کو حل کرنے کی ذمہ داری قبول کرلی اور اپنی علمی شجاعت کا زبردست مظاہرہ کرتے ہوئے ''تھذیب الاحکام'' جیسی کتاب لکھ کر مذہب حقہ اہل بیتؑ کی عظیم خدمت انجام دی۔

اس کے علاوہ شیخ طوسی کے اس بیان سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں اہل بیت اطہارؑ کی روایات اور احادیث میں اس قسم کا اختلاف اور تناقض شیعہ مذہب کے لئے دو قسم کے نقصانات کا باعث بن رہا تھا۔

۱۔ شیعوں کے متعصب مخالفین، روایات ائمہؑ میں اس قسم کے ابتدائی اختلافات کو بہانہ بنا کر شیعہ عقائد کی بنیادوں پر حملہ کر رہے تھے اور اس مغالطے کے ذریعے اُنہیں شیعہ عقائد کے خلاف شبہات پیدا کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

۲۔ شیعہ روایات میں اختلاف کے باعث بعض شیعوں کے عقائد خراب ہو رہے تھے۔ چونکہ احادیث کے ابتدائی اختلاف کا سبب وہ اپنا دینی و علمی ضعف سمجھ رہے تھے حالانکہ بقول شیخ طوسیؒ وہ لوگ روایات کے سلسلے میں ضروری علم وبصیرت سے بہرہ مند نہیں تھے جس کی وجہ سے وہ مخالفین کے مغالطات کا

نشانہ بن رہے تھے۔دوم یہ کہ وہ اس اہم بات سے غافل تھے کہ فروعات میں اختلاف کا اصول اور دینی مبانی میں اختلاف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔لیکن اپنی کم علمی اور عوامانہ سوچ کی وجہ سے گمراہ ہو رہے تھے۔یہ وہ مقام ہے کہ جہاں اہل علم طبقہ عوام کی دستگیری کرتا ہے اور اُنہیں گمراہی وضلالت سے بچاتا ہے۔لہذا یہی وہ فریضہ تھا کہ جس کو شیخ طوسیؒ جیسے عالم ربانی نے ''تہذیب الاحکام'' لکھ کر پورا کیا ۔(آشنائی با تاریخ ومنابع حدیثی ،ص ۲۴۱)

اسلوب نگارش

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے ''تھذیب الاحکام'' کے مقدمے میں روایات واحادیث کی ترتیب اور تدوین کے بارے میں اپنے اسلوب کی وضاحت اس طرح کی ہے:''میں نے کتاب کے ابواب کو کتاب المقنعہ کے ابواب کی بنیاد پر منظم کیا ہے۔یعنی ؛ایک ایک مسئلہ کو ذکر کر کے ساتھ ہی اس کے دلائل بھی بیان کرتا جاتا ہوں جو کہ یہ ہیں:

۱۔ظاہر قرآن ،یا قرآن کے معنی میں صریح دلیل یا فحویٰ دلیل ۔

۲۔یا قطعی سنت ؛جو متواتر روایات یا ایسے قرائن پر مشتمل روایات کہ جواُنکی صحت پر دلالت کر رہے ہوں۔یا اجماع مسلمین کہ جس کا وجود پایا جاتا ہو یا فرقہ محقہ امامیہ کا اجماع۔

اس کے بعد میں اپنے علماء کی مشہور احادیث کو ہر مسئلہ کے ذیل میں ذکر کرتا ہوں۔اور پھر ان روایات کی مخالف اور متضاد روایات کی تحقیق کرتا ہوں۔اور اُن کے درمیان جمع کی وجوہ کو یا تو تاویل کے ذریعے یا تبیین کے ذریعے مشخص کرتا ہوں اور پھر کچھ روایات کے باطل ہونے کا سبب یا تو سند کے کمزور ہونے یا علماء کی طرف سے ان کے اوپر برعکس عمل کرنے کی وجہ سے بیان کرتا ہوں۔اور اگر دو روایتیں ایسی ہوں کہ جن کے درمیان ایک دوسرے پر ترجیح کا کوئی راستہ نہ ہو تو اس بات کی وضاحت کرونگا کہ جو روایت ،دلالت اصل کے موافق ہے،اُس پر عمل کیا جائے اور جو روایت،اصل کے مخالف ہے اُسے چھوڑ دیا جائے۔اسی طرح اگر کوئی حکم صریح نص سے خالی ہو تو تو میں نے اُسے مقتضائے اصل کے مطابق سمجھا ہے اور جس قدر ہو سکا ہے روایات کی تاویل کی ہے لیکن اُن کی اسناد میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہونے دیا ۔میں نے سعی کی ہے کسی روایت کو رد نہ کروں۔اور اپنی تاویل کی تائید میں دوسری روایات سے مدد لی ہے

کہ جو صریحی دلالت کے ذریعے یا اُس کے فحویٰ کے ذریعے اس تاویل کی تائید کرتی ہیں تا کہ احادیث پر منطبق فتویٰ اور تاویل پر عمل کر سکوں''۔(تھذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، ج۱ص۳،۲)

شیخ طوسیؒ کے اس بیان سے استفادہ کرتے ہوئے ڈاکٹر علی نصیری نے تھذیب کی تدوین میں چھ مرحلوں کا تذکرہ کیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔شیخ مفید کی کتاب ''المقنعہ'' کی بنیاد پر تہذیب کے فقہی مسائل کا مرتب ہونا۔

۲۔ حدیث اور روایت کے علاوہ فقہی مسائل کے دوسرے دلائل کا ذکر کرنا۔جن کو شیخ طوسی نے قرآن ،سنت اور اجماع میں تقسیم کیا ہے۔اور پھر قرآن کی مختلف قسم کی دلالات کی وضاحت کی ہے۔سنت ہوسکتا ہے متواتر ہو یا خبر واحد ہو لیکن قرائن کے ساتھ ہو۔اسی طرح اجماع ہے کہ جو اجماع مسلمین بھی ہوسکتا ہے اور علمائے شیعہ کا اجماع بھی۔

۳۔تھذیب الاحکام کا اہم ترین حصہ فقہی مسائل پر دلالت کرنے والی احادیث اور روایات پر مشتمل ہے ۔شیخ طوسی ہر مسئلہ پر دلالت کرنے والی روایات کو ذکر کرتے ہیں۔

۴۔مخالف ادلہ کا ذکر کرنا:تھذیب الاحکام کا ایک اور اہم حصہ وہ ہے جس میں ہر مسئلہ میں مخالف ادلہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے کیونکہ شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام میں متناقض روایات کے راہ حل کی وضاحت کی ہے لہذ اوہ ہر مسئلہ پر دلالت کرنے والی روایات کی مخالف روایات کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

۵۔ ہر مسئلہ میں روایات موافق اور مخالف ذکر کرنے کے بعد شیخ طوسی اُن متضاد روایات میں جمع اور ہم آہنگی برقرار کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے اس مشکل کا راہ حل بتاتے ہیں۔

۶۔متضاد روایات کے بارے میں اپنی تاویل کی تائید میں کچھ روایات سے بھی مدد لیتے ہیں۔

تہذیب الاحکام کی خصوصیات

شیخ طوسی علیہ الرحمہ فقط ایک محدث ہی نہیں تھے بلکہ اسلامی علوم کے دوسرے شعبوں منجملہ علم کلام،فقہ،اُصول فقہ،رجال اور تفسیر پر بھی اُنہیں عبور حاصل تھا لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تھذیب الاحکام میں فقط موضوع سے متعلق روایات نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ فقہی اور اُصولی قواعد وضوابط پر بھی روایات کو پرکھتے ہیں۔لہذا وہ روایات کے اختلاف اور تناقض کو ''تعادل وتراجیح'' کے قواعد کے مطابق

دیکھتے ہیں اور پھر اُن میں جمع کرتے ہیں۔اس لئے تھذیب الاحکام کو ہم شیخ طوسی کے علمی مقام ومنزلت کی وجہ سے ایک خاص نظر سے دیکھتے ہیں چونکہ اس کتاب میں بعض ایسی خصوصیات ہیں کہ جو کسی دوسری کتاب میں نظر نہیں آتیں۔اُس کی سب سے بڑی وجہ شیخ کا فقہ اور اصول میں تبحر ہے۔تھذیب الاحکام کی چند برجستہ خصوصیات یہ ہیں جو اس کتاب کو دوسری کتب حدیث سے ممتاز بنادیتی ہیں:

ا۔متضاد روایات میں ہم آہنگی:۔جیسا کہ پہلے وضاحت کی جاچکی ہے کہ تہذیب الاحکام کی تدوین کا بڑا مقصد موافق ومخالف روایات کو ذکر کر کے اُنہیں جمع کرنے کا راستہ تلاش کرنا تھا جس میں شیخ طوسی بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔اور یہ چیز اس کتاب کی بہت بڑی خصوصیت ہے۔شیخ طوسی نے کوشش کی ہے کہ کسی بھی روایت کی سند پر تنقید کرتے ہوئے اسے رد نہ کیا جائے تاکہ متعارض روایات کے درمیان ہم آہنگی برقرار کی جاسکے۔شیخ طوسیؒ کی اسی کوشش کو بعض محققین نے تنقیدی نظر سے دیکھا ہے اور اُنہیں روایات کے درمیان جمع وہم آہنگی برقرار کرنے میں افراط پسند قرار دیا ہے۔(آشنائی با تاریخ ومنابع حدیثی، ص۲۴۴)

۲۔آیات قرآن سے استفادہ:۔دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ شیخ نے اس کتاب میں موقع ومحل کی مناسبت سے قرآنی آیات سے بھرپور فائدہ اُٹھایا ہے۔اور جہاں بھی موقع ملا ہے ایک مسئلہ کے بارے میں روایات نقل کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنی ادلہ سے بھی استفادہ کیا ہے جو اس کتاب کو بہت سی کتابوں سے ممتاز بنادیتا ہے۔مثلاً وضو کے مسئلہ میں روایات نقل کرنے کے بعد شیخ سورۂ مائدہ، آیت نمبر۶ نقل کرتے ہیں''یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ''۔(تھذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، ج۱،ص۷۹)

اسی طرح جب قرآن کو بغیر طہارت کے مس کرنے کی شرعی ممانعت کا مسئلہ آتا ہے تو سورۂ واقعہ کی آیت نمبر۷۹''لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ'' کو نقل کرتے ہیں۔(ایضاً، ج۷،ص۲۷۲)۔یہ چیز بھی تھذیب الاحکام کو دوسری کتابوں سے ممتاز بنادیتی ہے۔

۳۔فقہ الحدیث:۔تیسری اہم خصوصیت فہم حدیث کے لئے شیخ طوسیؒ نے فقہ الحدیث اور تفسیر حدیث جیسے موضوعات بھی تھذیب الاحکام میں پیش کیئے ہیں مثلاً کلمہ''صعید'' کے معنیٰ''تراب'' کے بارے میں شیخ

مفیدؒ کی عبارت نقل کرنیکے بعد شیخ طوسی لکھتے ہیں: ''شیخ کے مدعا کی دلیل اب درید کا کلام ہے کہ جواس نے کتاب ''جمھرۃ''، میں ابوعبید معمر بن مثنی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صعید سے مراد وہی خالص مٹی ہے کہ جوریت اور بجری وغیرہ کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہو۔(تھذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، ج۱،ص۱۸۶)

تھذیب الاحکام کی شرحیں اور حواشی

شیخ طوسی کی کتاب تھذیب الاحکام پر بہت سی شرحیں اور حواشی بھی لکھے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔شرح سید محمد، صاحب مدارک (متوفی ۱۰۰۹ھ)

۲۔شرح قاضی نوراللہ (شہید ۱۰۱۹ھ)اس شرح کا نام ''تذھیب الاکمام'' ہے۔

۳۔شرح مولی عبداللہ شوشتری (متوفی ۱۰۲۱ھ)

۴۔شرح شیخ محمد بن حسن بن شہید ثانی (متوفی ۱۰۳۰ھ)

۵۔شرح مولی محمد بن امین استرآبادی (متوفی ۱۰۳۶ھ)

۶۔شرح عبداللطیف جامعی شاگرد شیخ بہائیؒ (متوفی ۱۰۵۰ھ)

۷۔شرح مولی محمد تقی مجلسی اولؒ (متوفی ۱۰۷۰ھ)

۸۔شرح مولی محمد طاہر بن محمد حسین شیرازی قمی (متوفی ۱۰۹۸ھ)

۹۔شرح محقق شیروانی داماد علامہ مجلسیؒ (متوفی ۱۰۹۹ھ)

۱۰۔شرح علامہ مجلسیؒ بنام ''ملاذ الاخیار'' (متوفی ۱۱۱۱ھ)

حواشی

۱۔حاشیہ قاضی نوراللہ شوشتری

۲۔حاشیہ وحید بہبہانی

۳۔حاشیہ آقا جمال الدین خوانساری

۴۔حاشیہ شیخ حسن صاحب معالم الاصول

۵۔حاشیہ میرزا عبداللہ افندی صاحب ریاض

۶۔حاشیہ علامہ مجلسیؒ

۷۔حاشیہ سید میرزا محمد بن علی استرآبادی معروف ماہر علم رجال

۸۔حاشیہ شیخ محمد سبط شہید ثانی

۹۔حاشیہ شیخ محمد علی بلاغی

۱۰۔حاشیہ سید نجم الدین جزائری

قابل ذکر ہے کہ فارسی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ محمد یوسف بن محمد ابراہیم گورکانی نے کیا ہے۔

۲۔الاستبصار فیما اختلف من الاخبار:

مختصر تعارف

یہ کتاب شیخ الطائفہ، ابوجعفر محمد بن حسن المعروف شیخ طوسیؒ کی علم حدیث میں دوسری بڑی تالیف ہے۔اس کتاب کا موضوع اہل بیت اطہار علیہم السلام سے منقول اختلافی احادیث ہیں۔شیخ طوسیؒ نے اس کتاب میں مختلف فقہی موضوعات میں نقل ہونے والی روایات جمع کی ہیں۔یہ کتاب تہذیب الاحکام کے بعد تین جلدوں میں لکھی گئی ہے۔جلد اول اور دوم ''عبادات'' کے بارے میں ہے جبکہ تیسری جلد ''عقود وایقاعات'' اور دوسرے فقہی ابواب کے متعلق ہے۔لیکن جدید اشاعت میں یہ کتاب چار جلدوں میں چھپی ہے۔یہ کتاب ۹۲۵ ابواب اور ۵۵۱۱ روایات پر مشتمل ہے اور کتب اربعہ میں چوتھی کتاب شمار ہوتی ہے۔

ہر فقیہ اور مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرعی احکام کے استنباط کے وقت اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔چونکہ اس کتاب کا شمار شیعوں کی چار اہم کتابوں ''کافی''، ''من لایحضرہ الفقیہ'' اور تہذیب الاحکام'' کی صف میں ہوتا ہے جن کے بغیر فقہ اہل بیتؑ میں استنباط اور اجتہاد مکمل نہیں ہوسکتا۔کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ طوسیؒ نے تہذیب الاحکام کے بعد بعض اہل علم دوستوں کی درخواست پر لکھی ہے اور تہذیب الاحکام کا خلاصہ ہی ہے جس کی وجہ تالیف خود شیخ طوسی نے بیان کی ہے۔

وجہ تالیف

شیخ طوسی علیہ الرحمہ استبصار کے مقدمے میں اس کتاب کو لکھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میں اپنے کچھ احباب سے ملا ہوں کہ جنہوں نے ہماری کتاب کبیر ''تھذیب الاحکام'' میں جمع کی جانے والی روایات حلال وحرام کو دیکھا تو جان لیا کہ اس کتاب میں، جو کچھ جمع کیا گیا ہے، وہ اُس سے کہیں زیادہ ہے جو فقہی ابواب اور احکام سے متعلق ہے؛۔۔۔لہذا اُنہوں نے خواہش کی کہ میں ایک ایسی مختصر کتاب لکھوں جو فقط (تعارض کی حامل) مختلف روایات پر مشتمل ہو، تا کہ جو شخص فقہ میں متوسط حد تک معلومات رکھتا ہے، اُس سے آگاہی اور جو (فقہ میں) کامل ہے وہ اس سے تذکر اور توجہ حاصل کرے ۔کیونکہ یہ دونوں گروہ روایات میں سازگاری اور ہم آہنگی کو پسند کرتے ہیں اور وقت کی کمی کے باعث اُن کے لئے مختلف کتابوں میں جا کر متعارض روایات میں تلاش وجستجو ممکن نہیں ہوتی ۔۔۔۔چونکہ ہمارے بزرگ علماء میں سے کہ جنہوں نے فقہی روایات کے سلسلے میں حلال وحرام کے بارے میں کتاب لکھی ہے، کسی نے بھی اس قسم کا، کام انجام نہیں دیا لہذا اُنہوں نے مجھ سے تقاضا کیا ہے کہ میں اس سلسلے میں ایک مختصر اور خاص کتاب لکھوں''۔ (استبصار فیما اختلف من الاخبار ، ج۱،ص۲،۳)

شیخ طوسی علیہ الرحمہ کے اس بیان سے چار باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔شیخ طوسیؒ کی زندگی میں ہی اُن کی کتاب ''تھذیب الاحکام'' لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی اور شیعوں نے اس کتاب کا بہت زیادہ استقبال کیا ہے۔اس لئے اُنہوں نے اس ضخیم کتاب کی تلخیص کی خواہش ظاہر کی تا کہ عام پڑھا لکھا شخص بھی اس سے بہرہ مند ہو سکے اور عالم وفاضل شخص بھی تعارض روایات کے سلسلے میں اس سے فائدہ اُٹھا سکے۔

۲۔چونکہ تھذیب الاحکام میں مخالف وموافق روایات کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے لہذا شیخ نے بعض بزرگ شیعہ حضرات کی درخواست پر ''استبصار'' میں فقط مخالف روایات کو ذکر کر کے اُن کے درمیان جمع اور ہم آہنگی برقرار کرنے کا راستہ بتایا ہے۔اسی لئے اس کتاب کا نام ہی ''استبصار فیما اختلف من الاخبار'' رکھا گیا ہے یعنی؛ متعارض اور مختلف روایات کے سلسلے میں بصیرت عطا کرنا۔

۳۔شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سے پہلے متعارض اور مختلف روایات کے درمیان ہم آہنگی اور جمع برقرار کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی اس طرف کسی کی توجہ تھی۔شیخ طوسیؒ پہلے وہ عالم ہیں

کہ جنہوں نے اس قسم کی سعی کی ہے۔(آشنائی با تاریخ ومنابع حدیثی،ص ۲۲۶)

۴۔ایک اور بات یہ سامنے آتی ہے کہ شیخ کے زمانے میں شیعوں کے عام وخواص روایات میں تعارض اور اختلاف کی وجہ سے پریشان تھے اور فہم روایات کے سلسلے میں اُنہیں مشکلات کا سامنا تھا جس کا تذکرہ وہ اپنے علماء سے بھی کرتے تھے، یہ بات اُس دور کے شیعوں کی اپنے علوم ومعارف کے ساتھ گہرے خلوص، لگاؤ اور اُن کے علمی ذوق کو ظاہر کرتی ہے۔

اسلوب نگارش

کتاب استبصار کے مقدمے میں شیخ طوسیؒ اس کتاب میں روایات کی تدوین کے سلسلے میں اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''میں نے ہر باب کے شروع میں اپنے مدنظر فتویٰ اور اس سے متعلق روایات کو ذکر کیا ہے پھر پہلی روایات کی مخالف روایات کو لایا ہوں اور پھر اُن کے درمیان جمع اور ہم آہنگی کا راستہ ذکر کیا ہے۔

استبصار کی چند اہم خصوصیات

۱۔یہ کتاب اپنی نوعیت کی بے نظیر کتاب شمار ہوتی ہے اور پہلی کتاب ہے کہ جو مخالف روایات کے درمیان ہم آہنگی اور جمع برقرار کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔

۲۔مذکورہ بالا خصوصیت کے علاوہ اس کتاب میں تقریباً ہر وہ روایت مل جاتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی اور روایت موجود ہے۔چنانچہ ابن طاوٴس لکھتے ہیں:اگر کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی مخالف روایت ہو تو وہ حتماً استبصار میں موجود ہوگی یا اس کی طرف اشارہ ملے گا۔

۳۔اس کتاب کے ہر باب کے شروع میں پہلے معتبر یا قابل قبول روایات لائی گئی ہیں اُس کے بعد دوسری قسم کی روایات کو پیش کیا گیا ہے۔

۴۔استبصار تمام فقہی ابواب پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں فقط اُن ابواب کو لایا گیا ہے جن میں مخالف روایات نقل ہوئی ہیں لیکن ابواب کی ترتیب فقہی کتابوں کے مطابق ہی ہے یعنی؛ کتاب طہارت سے شروع ہوکر کتاب دیات پر ختم ہوتی ہے۔دوسرے الفاظ میں اس کتاب کا موضوع فقط اختلافی ابواب فقہ ہیں۔

تہذیب واستبصار کے درمیان موازنہ

ڈاکٹر علی نصیری نے تھذیب الاحکام اور استبصار کے درمیان ایک موازنہ پیش کیا ہے جسے ہم یہاں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ دونوں کتابوں کے درمیان فرق اور استبصار کو لکھنے کی وجہ مذید روشن ہو جائے۔

ا۔تھذیب الاحکام کی تدوین سے شیخ طوسیؒ کا سب سے بڑا مقصد روایات شیعہ میں موجود ظاہری تعارض کے بارے میں بعض متعصب مخالفین کے شبہات کا جواب دینا تھا لہذا شیخ نے تھذیب الاحکام میں تمام روائی اور غیر روائی ادلہ پر تکیہ کرتے ہوئے روایات کے بارے میں ایک جامع اور کامل تحقیق کی ہے جبکہ استبصار میں بعض شیعہ علماء کی درخواست پر احادیث میں مخالف وموافق روایات کے درمیان ہم آہنگی اور جمع کے راستے کی وضاحت کرنا شیخ کے مدنظر تھی۔اس لئے شیخ طوسیؒ نے استبصار میں فتاویٰ کی غیر روائی ادلہ (مثلاً قرآن واجماع وغیرہ) کو بیان

کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

۲۔کتاب تھذیب الاحکام شیخ مفید کی فقہی کتاب ''المقنعہ'' کی روائی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے لہذا اس میں شیخ مفیدؒ کے فتاویٰ کی تبیین وشرح ہی کی گئی ہے اور اس کا محور بھی المقنعہ کے ابواب ہی ہیں جبکہ استبصار میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔یعنی: فتاوی کو مدنظر نہیں رکھا گیا بلکہ مخالف روایات کی اساس پر اس کی تدوین کی گئی ہے۔

۳۔کتاب تھذیب الاحکام فتاویٰ کی تمام موافق ومخالف روایات اور اُنکی تائید وتوجیہ اور تاویل کرنے والی روایات پر مشتمل ہے۔جبکہ استبصار میں فقط مخالف وموافق روایات لائی گئی ہیں۔

۴۔تھذیب الاحکام میں ایک اہم چیز ''فقہ الحدیث'' اور روایات پر تنقید ہے جبکہ استبصار میں یہ چیز بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔سوائے اُن موقعوں کہ جب روایات مخالف میں ہم آہنگی برقرار کرنے کے لئے اس قسم کی بحث کی ضرورت پڑتی ہے تو شیخ طوسی یہاں بھی فقہ الحدیث کی طرف توجہ دیتے ہیں۔(آشنائی با تاریخ ومنابع حدیثی،ص۲۲۶)

اجازات

''استبصار'' کی اہمیت اور قدر و قیمت کے پیش نظر یہ کتاب ہمیشہ اُن کتابوں کی صف میں شمار ہوتی رہی ہے کہ جن کی روایات کے بارے میں شیعہ علما وفقہا ایک دوسرے کو اجازہ روایت دیتے رہے ہیں۔لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے اجازوں کا متن اس کتاب کے مختلف نسخوں کے آخر میں لکھا ہوا ہے۔

منابع

شیخ طوسی نے اس کتاب کی تالیف کے لئے اپنے زمانے میں بغداد کے دو مشہور کتابخانوں سے استفادہ کیا ہے کہ جو معتبر کتابوں اور اصلی نسخوں سے بھرے ہوئے تھے۔ان میں ایک کتابخانہ اُن کے استاد بزرگوار جناب سید مرتضی علم الھدیٰ کا تھا کہ جس میں ۸۰ ہزار جلد کتاب موجود تھی۔دوسرا کتابخانہ شاپور ہے کہ جو بہت بڑا کتابخانہ تھا جو شیعہ علماء کے لئے بغداد کے علاقے کرخ میں بنایا گیا تھا۔یہ دونوں کتابخانے بہترین اور قیمتی کتابوں اور قلمی نسخوں پر مشتمل تھے۔ان قلمی نسخوں میں سے بہت سے نسخے خود اُن کے مولفین یعنی اصحاب ائمہ اطہارؑ کے قلم سے لکھے گئے تھے۔افسوس کے ساتھ ''کتابخانہ شاپور'' اہل بیت اطہارؑ کے دشمنوں کے حملے میں آگ میں جل گیا تھا اور دنیائے اسلام ایک عظیم علمی ذخیرے سے محروم ہوگئی تھی اور اس کے قیمتی اور نادر نسخے جہالت اور بغض کی آگ میں جل گئے تھے۔شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے چالیس سال تک جہاں تک ہوسکا ان کتابخانوں سے استفادہ کیا اور ائمہ اطہارؑ کی تعلیمات پرمبنی روایات کو جمع کرکے آئندہ نسلوں کے سپرد کیا۔

استبصار کے بارے میں علماء کی آراء

معروف کتاب شناس اور محقق آقا بزرگ تہرانیؒ اپنی کتاب ''الذریعہ الی تصانیف الشیعہ'' میں لکھتے ہیں:''**هو احد الكتب الاربعه والمجاميع الحديثية التى عليها مدار استنباط الاحكام الشرعية عند الفقهاء الاثنى عشرى منذ عصر المئولف حتىٰ اليوم**''۔ یعنی؛ کتاب استبصار کتب اربعہ میں سے ایک کتاب ہے اور روایات کے مجموعوں میں سے ایک مجموعہ ہے کہ جس پر زمانہ مولف سے لیکر اب تک شیعہ اثنا عشری فقہاء کے درمیان شرعی احکام کے استنباط کا دارومدار،رہا ہے۔

ابن ادریس اپنی کتاب ''سرائر'' میں لکھتے ہیں:''**كتاب الاستبصار عمله لما اختلف فيه**

من الاخبار بحیث یتوسط ویلائم بین الاخبار"۔یعنی؛ شیخ طوسیؒ نے کتاب استبصار،مخالف روایات کوجمع کرنے کے لئے لکھا ہے اور اُنہوں نے اس کتاب میں مخالف روایات واحادیث کو ایک دوسرے کے نزدیک کیا ہے اوراُن کے درمیان (معنوی) توافق ایجاد کیا ہے۔

ابن طاوٗس کتاب"فتح الابواب"میں لکھتے ہیں:"**کتاب الاستبصار عمل لاجل مااختلف من الاخبار فلو کان فی ھذہ خلاف فی التحقیق لذکرہ فی الاستبصار وھذاواضح لاھل التوفیق**"۔یعنی؛ کتاب استبصارمخالف روایات کوجمع کرنے کے لئےلکھی گئی ہے اگر کہیں اس بارے میں کوئی مخالف روایت تھی تو اسے شیخ نے حتماً کتاب استبصار میں ذکر کیا ہے اور یہ نکتہ اہل توفیق حضرات کیلئے بہت واضح ہے۔

استبصار کی شرحیں اور حواشی

اس کتاب پر علمائے شیعہ کی خصوصی توجہ رہی ہے لہذا اس کی بہت سی شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں جن میں چند کے نام یہ ہیں:

۱۔کتاب جامع الاخبار فی ایضاح الاستبصار: تالیف، شیخ عبداللطیف بن علی بن احمد بن ابی جامع حارثی شامی عاملی شاگرد شیخ بہائی۔

۲۔نکت الارشاد درشرح استبصار: تالیف، شہید اول، محمد بن مکیؒ

۳۔شرح استبصار: تالیف، سید میرزا حسن بن عبدالرسول حسینی زنوزی خوئی۔

۴۔شرح استبصار: تالیف، امیر محمد بن امیر عبدالواسع خاتون آبادی داماد علامہ مجلسیؒ۔

۵۔شرح استبصار: تالیف، شیخ عبدالرضا طفیلی نجفی۔

۶۔شرح استبصار: تالیف، فقیہ قاسم بن محمد جوادالمعروف ابن الوندی وفقیہ کاظمی جو شیخ حر عاملی کے ہم عصر تھے۔

۷۔شرح استبصار: تالیف، علامہ سید محسن بن حسن اعرجی کاظمی۔

حواشی:

۱۔حاشیہ شیخ حسن بن زین الدین صاحب معالم الاصول

۲۔حاشیہ مولی محمد امین بن محمد شریف استر آبادی۔

۳۔حاشیہ میر محمد باقر بن شمس الدین محمد حسینی المعروف داماد

۴۔حاشیہ فاضلہ حمیدہ دختر مولی محمد شریف رویدشتی۔

۵۔حاشیہ مولی عبدالرشید بن مولی نورالدین شوشتری۔

۶۔حاشیہ سید میرزا محمد بن علی بن ابراہیم استر آبادی معروف ماہر علم الرجال۔

۷۔حاشیہ سید محمد بن علی بن حسن موسوی عاملی، صاحب مدارک۔

۸۔حاشیہ محدث جزائری سید نعمت اللہ بن عبداللہ موسوی شوشتری۔

مشیخہ

کتب حدیث کے سلسلے میں ایک اہم ترین بحث، مشیخہ ہے یعنی؛ وہ اساتید اور مشائخ کہ جن سے روایت نقل کی جاتی ہے۔ شیخ طوسیؒ نے کتاب کے پہلے اور دوسرے حصے میں تمام اسناد کو ذکر کیا ہے لیکن تیسرے حصے میں فقط راوی کے نام پر اکتفا کیا ہے کہ جس کی کتاب سے اُنہوں نے روایت نقل کی ہے۔ اور کتاب کے آخر میں اپنی سند کو اس راوی تک پہنچایا ہے تا کہ روایات مرسلہ ہونے سے بچ جائیں اور مسند روایات بن جائیں۔ کتاب استبصار کا یہ حصہ بھی بہت اہم سمجھا جاتا ہے اور بہت سے علمائے رجال نے اس حصے کی طرف خصوصی توجہ دی ہے اور اس کے بارے میں شرحیں لکھی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔مشیخۃ الاستبصار: تالیف مولی شریف علی بن حسن۔

۲۔اسانید الاستبصار، تالیف حسن بن علی بن ابراہیم علوی۔

۳۔عواطف الاستبصار، تالیف شیخ فخر الدین بن محمد علی بن احمد بن طریح نجفی۔

منابع وماخذ

اس مقالے کی تیاری میں درج ذیل منابع اور مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔آشنائی با تاریخ ومنابع حدیثی ، دکتر علی نصیری ، مرکز جهانی علوم اسلامی ، قم ، ۱۳۸۵ش
۲۔الاستبصار فیما اختلف من الاخبار ، محمد بن حسن الشیخ الطوسی ، تحقیق : سید حسن الموسوی الخرسانی ، تہران ، ۱۳۹۰ھ
۳۔تھذیب الاحکام فی شرح المقنعہ ، محمد بن حسن الشیخ الطوسی ، دار الکتب الاسلامیہ ، ۱۳۹۰ھ
۴۔دانش حدیث ، محمد باقر نجف زادہ بار فروش ، مئوسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی (ماجد) ، تہران ، ۱۳۷۳ش
۵۔دائرۃ المعارف تشیع ، ج ، دوم ، پنجم ، نشر شہید سعید محبی ۱۳۷۵ش
۶۔سوفٹ ویئر ، نور ، جامع الاحادیث ، نسخہ ۲/۵ ، مرکز تحقیقات کامپیوتری علوم اسلامی ، قم
۷۔علم الحدیث ودرایۃ الحدیث ، کاظم مدیر شانہ چی ، دفتر انتشارات اسلامی ، جامعہ مدرسین ، قم ، ۱۳۷۲ش
۸۔ہزارہ شیخ طوسیؒ ، علی دوانی ، (مجموعہ مقالات) ، مئوسسہ انتشارات امیر کبیر ، تہران ، ۱۳۶۲ش

کتب صحاح ستہ کا تعارف

صحیح البخاری المختصر من امور رسول اللہ وسننہ وایامہ

محمد حیات انصاری

مئولف، محدث، محقق

ذخیرہ حدیث کی یہ مستندترین کتاب عرف عام میں صحیح البخاری کے نام سے مشہور ہے اسکے مولف مشہور محدث محمد بن اسماعیل بن ابراہیم ابوعبداللہ البخاری ہیں آپ نے ۲۵۶ ھ میں وفات پائی بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس لئے آپ کی تعلیم وتربیت کا انتظام آپ کی والدہ نے کیا ۱۶ سال کی عمر میں عبداللہ بن مبارک اور حافظ وکیع بن جراح کی کتب کو حفظ کر لیا اس کے بعد سماع حدیث کے لئے ۲۱۰ ھ میں مختلف بلاد کا سفر کیا جن میں سے شام مصر، جزیرہ، حجاز مقدس، کوفہ، نیشاپور، بغداد، بصرہ اور رے کا نام ملتا ہے ان میں سے کئی مقامات پر کئی بار گئے۔

آپ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں نے ۱۰۸۰ محدثین وشیوخ سے کسب فیض کیا جن میں سے حافظ اسحٰق بن راہویہ اور ابن المدینی سے سب سے زیادہ اکتساب فیض کیا، آپ کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے جن میں سے امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابوزرعہ، ابوحاتم، اور ابن خزیمہ بہت مشہور ہیں۔

آپ کی تصانیف کی تعداد بیس سے متجاوز ہے جن میں سے صحیح البخاری کے علاوہ الادب المفرد، التاریخ الکبیر، والصغیر والأ وسط زیادہ مشہور ہیں۔

امام بخاری کی ان تمام تصانیف میں سے ''**الجامع الصحیح**'' یعنی صحیح بخاری سب سے مہتم بالشان تصنیف ہے جس کا پورا نام'' **الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ وسننہ وأیامہ** '' اسی کتب کی تصنیف کے سبب امام بخاری نے عالم اسلام میں شہرت پائی۔ امام بخاری نے اس کتاب کی تالیف میں سولہ سال صرف کئے اور اس کو مسجد حرام میں تصنیف کیا اور اسے چھ لاکھ احادیث سے منتخب کیا اور موجودہ جدید نسخوں میں مکررات سمیت احادیث کی تعداد ۷۵۶۳ ہے۔ اس کتاب کی صحت اور مقبولیت کے بارے میں محدثین کے اقوال:

چنانچہ حافظ ابن الصلاح کا بیان ہے'' **وکتاباھمااصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز** ''۔(

مقدمہ ابن الصلاح ص۸۴)''ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحاو اکثرھمافوائد ''(ایضاً ص۸۵)کتاب اللہ کے بعد ان دونوں کتابوں صحیح بخاری وصحیح مسلم کا درجہ ہے پھر صحیح بخاری کا مرتبہ صحت اور کثرت فوائد کے لحاظ سے ممتاز و مقدم ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے بقول جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو وہ مبتدع ہے اور وہ مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔وہ ''حجۃ اللہ البالغہ''(۱۳۴/۱) میں مزید لکھتے ہیں کہ قسم بخدا صحیح بخاری کو جو مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔بقول ان کے:امام بخاری نے پوری کتاب میں صحت کا التزام رکھا ہے اور اس میں صرف احادیث صحیحہ لائے ہیں اور ساتھ ہی فقہی مسائل اور حکیمانہ نکتوں کا بھی لحاظ رکھا ہے۔متون احادیث سے بہت سے معانی استنباط کرتے ہیں جو مناسب طریقہ سے پوری کتاب میں موجود ہیں۔

امام بخاری کے مسلک کے بارے میں یہ ہے وہ کسی کے مقلد نہیں تھے بلکہ خود مجتہد تھے جس کا ثبوت صحیح بخاری کے تراجم ابواب ہیں کہ وہ ایک ہی حدیث سے بہت سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور ہر باب میں اس کی مناسبت سے اس حدیث کا مطلوبہ حصہ ذکر کرتے ہیں اور ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب اور مقام پر پیش کرتے ہیں مثلاً حدیث قرطاس کو انھوں نے اپنی کتاب میں چھ مقامات پر ذکر کیا ہے۔سب سے پہلے کتاب العلم باب ''کتابۃ العلم'' میں ذکر کیا ہے کیونکہ لکھنا یا لکھوانا یہ مسائل علم سے متعلق ہے اس لئے اس حدیث کو اسی مناسبت سے کتاب العلم مین ذکر کیا،چنانچہ یہاں حدیث قرطاس کو ان لفظوں میں ذکر کیا:

''ائتونی بکتاب أکتب لکم کتابا لاتضلوا بعدہ''۔(حدیث/۱۱۴) پھر اس حدیث قرطاس کو کتاب الجہاد کے باب ''جوائز الوفد'' حدیث/۳۰۵۳ میں باب کی مناسبت سے حدیث میں وارد شدہ یہ الفاظ ہیں:''واوصی عندموتہ بثلاث:أخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب، واجیز وا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم''۔یہ الفاظ کتاب العلم میں روایت نہیں کیے۔

چونکہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کرنا اور لشکر کی تیاری یہ مسائل جہاد سے مربوط ہیں اسی مناسبت سے کتاب الجہاد میں ذکر کیا پھر اسی حدیث کو تیسرے مقام پر کتاب الجہاد کے باب ''اخراج الیھود من جزیرۃ العرب''۔حدیث/۳۱۶۸ میں مطلوبہ الفاظ کو''فامرھم بثلاث :قال اخرجوا

المشرکین من جزیرۃ العرب" کوروایت کیا ہے تا کہ ترجمہ (عنوان) باب سے مناسبت رہے۔

اسی حدیث قرطاس کو چوتھے مقام کتاب المغازی باب مرض النبیؐ ووفاتہ ۴۴۳۱/۴۴۳۲،۴۴۳۲ پرروایت کیا چونکہ پیغمبراسلام نے قلم ودوات یا سامان کتابت برائے تحریر وصیت اپنے مرض الموت میں طلب فرمایا تھا اسی مناسبت سے یہ احادیث اس باب میں بھی روایت کی گئی ہے۔

اس حدیث کو پانچویں مقام کتاب المرضی باب قول المریض: قوموا عنی حدیث ۵۶۶۹/ میں بھی روایت کیا ہے چونکہ پیغمبراسلام نے سامان کتابت کے طلب کرنے پرلوگوں کے شوروغل اورعدم اطاعت کے مظاہرہ کو دیکھ کروہ ''قوموا عنی'' کہہ کر اپنے سے اُٹھا دیا تھا۔اسی مناسبت سے قوموا عنی کے سیاق وسباق کے ساتھ یہ حدیث اس باب میں روایت کی گئی ہے۔

چھٹے اورآخر مقام کتاب ''الاعتصام باب کراہیۃ الاختلاف ح/۷۳۶۶'' میں بھی اس حدیث کوتفصیل سے روایت ہے باب کراہیۃ الاختلاف کی مناسبت سے حدیث مذکورہ میں یہ الفاظ روایت کئے'' **فلما اکثروا اللفظ والاختلاف عند النبیؐ قال قوموا عني** '' کہ جب لوگوں نے آپ کے مرض الموت میں تحریر وصیت کے وقت ہنگامہ اوراختلاف برپا کیا تو آپ نے ناراض ہوکرانھیں قوموا عني کردیا۔

اسی طرح احادیث فدک کوبھی متعدد مقامات پرروایت کرنے کی یہی وجہ ہے۔اسی طرح'' **لاعطین هذه الرایة غدا رجلا**'' حدیث جبرکوبھی پانچ مقام پرروایت کیا ہےاور بقیہ تمام احادیث کومتفرق اورمختلف مقام روایت کرنے میں بھی یہ علل واسباب کارفرما ہیں اسی لئے کسی حدیث کوکتاب کے کئی مقام پردرج کرنے یاذکرکرنے میں جہاں مولف کی فقہاہت ثابت ہے وہاں حدیث کے بار بار ذکرکرنے میں صحت حدیث میں تقویت کا باعث ہے۔پھرمولف نے ہرمقام پراسی حدیث کواپنے مختلف شیوخ سے روایت کیا ہے تا کہ متابعت راوی یابدل سندبھی صحت حدیث کا باعث بنے۔لہذا بخاری شریف سے کسی حدیث کوتلاش کرنے دوسری کتب کی نسبت ذراتوجہ طلب اورجستجو کا کام ہے اسی لئے بعض محققین تساہل سے کام لیتے ہوئے تلاش حدیث کی بجائے سوالات اوراعتراض شروع کردیتے ہیں۔امام بخاری کا یہ طریقہ کار اورطرزاستدلال بھی مذہب شیعہ کی حمایت کرتا ہے جوکہ تفصیل طلب ہے اسے ایک علیحدہ کتاب میں بیان کیا جائے گا تا کہ بخاری نے ایسا کیوں کیا اوراس سے ہمیں کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

یکی از مطبوعات

نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی، بارہ کہو، اسلام آباد